اس شمارے میں

◯ دائرہ کا سرخ نشان آپ کی مدت خریداری ختم ہونے کی علامت ہے، آئندہ کے لیے رقم ارسال فرمائیں۔

☆ شائع شدہ مضامین سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں۔

☆ جواب طلب امور کے لیے لفافہ اور خریداری نمبر کا حوالہ دینا ضروری ہے۔

☆ ماہنامہ، انگریزی ماہ کی ۲/تاریخ کو حوالہ ڈاک کردیا جاتا ہے۔ ۱۰/تاریخ تک موصول نہ ہونے پر مطلع فرمائیں۔

نوائے سحر

اے اللہ! ان دونوں پر رحم فرما

عبداللہ خالد قاسمی خیرآبادی

پولینڈ میں ایک بوڑھا آدمی اپنی بیٹی کے گھر آیا اور ٹھہرنے کی خواہش ظاہر کی مگر بیٹی نے انکار کردیا اور بوڑھے باپ کے اصرار پر اسے ڈنڈے مار مار کر باہر نکال دیا، شور سن کر لوگ جمع ہوئے تو لڑکی نے بتایا کہ کچھ عرصہ پہلے مجھے رقم کی ضرورت تھی میں اس سے لینے گئی تو اس نے باقاعدہ شرح سود طے کرکے مجھے رقم دی اور پھر اصل رقم کے ساتھ سود بھی وصول کیا تو میں اسے اپنے گھر میں کیوں ٹھہراتی؟

یہ واقعہ کسی افسانے اور کہانی کا کردار نہیں، بلکہ پیرس جو مغربی تہذیب اور معاشرت کا بہت بڑا امین سمجھا جاتا ہے وہاں کی ایک زمینی حقیقت ہے، یہ واقعہ ایک ایسے معاشرہ کا آئینہ ہے جہاں جولائی کی ۲۵ ؍تاریخ کو بڑے اہتمام کے ساتھ ''یوم والدین'' منایا جاتا ہے، حالانکہ والدین سے محبت کسی ایک دن کی محتاج نہیں ہے یہ تو پیدائش سے موت تک اولاد کے رگ و پے میں رچی بسی ہونی چاہئے۔

اندازہ لگائیے انسانی قدریں کتنی پامال ہوچکی ہیں، دلوں سے احترام آدمیت وانسانیت کس قدر مفقود ہوچکا ہے، خودغرضی اور مطلب پرستی کے خوفناک درندے نے کس حد تک اپنے پنجے گاڑ دئے ہیں، چونکہ مغربی تہذیب اور اس کا عطا کردہ طرز معاشرت غیر فطری ہے، فطری اصولوں سے متصادم اور متعارض ہے، اس لیے اس کی ناپائیداری ہر روز عیاں سے عیاں تر ہوتی جارہی ہے، اس کے برخلاف مذہب اسلام نے جو اصول اور طرز معاشرت دنیا کو بتائے وہ فطرت انسانی سے ہم آہنگ اور ہر فرد بشر کے دل کی آواز ہیں۔

مغرب میں ''یوم والدین'' منانے کی کئی ایک وجوہات ہیں، اس لئے کہ وہاں

والدین جب کسی کام کاج کے نہیں رہتے تو ان کو اولڈ ہاؤس میں چھوڑ دیا جاتا ہے، پھر اولاد اپنے والدین کے ساتھ اس دن کو منانے کے لئے آتے ہیں، پھولوں کے گلدستے، ساتھ میں کھانا، مصروف زندگی سے چند گھنٹے گزارنا وغیرہ۔

یہ تو مغرب اور وہاں کی تہذیب اور کلچر کا ایک حصہ ہے، لیکن دکھ کی بات ہے کہ اب ہمارے یہاں بھی والدین کی پہلے سی قدر کہاں رہی؟۔

ہمارے یہاں بھی اپنے والدین کو اس وقت اکیلا چھوڑ دیا جاتا ہے، جب ان کو ہماری ضرورت ہوتی ہے، حالانکہ انہوں نے تو اپنی تمام خواہشات کو بالائے طاق رکھتے ہوئے ہماری ہر خواہش پوری کی ہوتی ہے، اس لئے کہ دنیا میں اگر کوئی ذات مخلص ہے تو وہ والدین ہیں، انسانی رشتوں میں سب سے عظیم رشتہ ماں باپ کا ہے، اسی واسطے دنیا کے سارے مذاہب ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کی تلقین کرتے ہیں، شریعت اسلامی میں بھی ماں باپ کے حقوق پر کافی زور دیا گیا ہے، قرآن مجید میں ایک سے زائد مقامات پر خدا کی عبادت کے بعد والدین سے حسن سلوک کی تاکید کی گئی ہے۔

اسلام میں والدین کی نافرمانی کو شرک کے بعد سب سے بڑا گناہ قرار دیا گیا ہے۔

قرآن پاک میں سورۂ بنی اسرائل کی آیات کا مفہوم ہے کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو اور ماں باپ کے ساتھ بھلائی کرو اگر ان دونوں میں سے ایک یا دونوں بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو ان کو ’’اف‘‘ تک نہ کہو اور نہ ان کو جھڑکو، بلکہ ان سے نرمی سے بات کرو اور اپنے بازوؤں کو نرمی اور عاجزی سے ان کے سامنے پھیلاؤ اور ان کے لیے یوں دعا کرو ’’اے میرے رب! تو ان پر اس طرح رحم فرما جس طرح ان دونوں نے بچپن میں مجھ پر رحم اور شفقت کا معاملہ کیا ہے۔

ماں باپ اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمت ہیں، ایسی نعمت کہ جس کا کوئی بدل نہیں، دنیا کی بہت سی نعمتیں اگر فوت ہو جائیں تو دوبارہ حاصل کی جاسکتی ہیں، لیکن ماں باپ کی نعمت دوبارہ

حاصل نہیں ہوسکتی، اس نعمت کے ذریعہ آدمی اپنی دنیا بھی سنوار سکتا ہے اور آخرت بھی، اس نعمت کی ناقدری کرنے والا نہ صرف یہ کہ آخرت میں پشیمانی اٹھائے گا، بلکہ اس کی دنیا بھی بے رونق ہوجائے گی۔

اولاد کے لئے ضروری ہے کہ زندگی کے ہر مرحلہ میں والدین کی خدمت، ان کی اطاعت کو اپنے اوپر لازم سمجھے اور جب وہ بڑھاپے کی عمر کو پہنچیں تو ان کی اطاعت وخدمت میں خصوصیت سے کوئی کسر باقی نہ رہے، اس لیے کہ بڑھاپے میں وہ خدمت کے زیادہ مستحق اور محتاج ہوتے ہیں، قرآن مجید میں اس کی خاص تاکید کی گئی ہے۔

آدمی کے لیے خوش نصیبی کی بات ہے کہ اسے ماں باپ کا بڑھاپا ملے، اس لیے کہ یہ ماں باپ کی خدمت کرکے اللہ کی رضا اور مغفرت حاصل کرنے کا زریں موقع ہوتا ہے، ماں باپ کا بڑھاپا پاکر بھی اگر کوئی اپنی مغفرت کا سامان نہ کرے، تو اس سے بڑھ کر بدنصیبی اور کیا ہوسکتی ہے؟ ایسے ہی بدنصیب کے سلسلہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہلاک ہو، برباد ہو وہ شخص، جو ماں باپ یا ان میں سے کسی ایک کو بڑھاپے کی حالت میں پائے، پھر وہ ان کا دل خوش کرکے جنت حاصل نہ کرسکے۔ (مسلم شریف)

والدین کی حکم عدولی، ان کی مرضی کے خلاف کام، گفتگو کے دوران تند لہجہ اختیار کرنا اب اتنا عام ہوگیا ہے کہ کسی کو حیرت بھی نہیں ہوتی، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پیشین گوئی فرمائی تھی کہ قیامت کے قریب ماں باپ کی نافرمانی ہوگی، دور حاضر کا یہ بھی ایک خطرناک سماجی فتنہ ہے، اس صورت حال کے ذمہ دار ایک حد تک خود والدین ہوتے ہیں، جنہیں اپنی اولاد کی دینی تربیت کی فکر نہیں ہوتی۔

اسلام میں والدین کے حقوق وفرائض اور احترام پر بہت زیادہ زور دیا گیا ہے۔

افسوس کا مقام ہے ہم اس سلسلے میں دین اسلام کے فرائض سے بھی دور ہوتے جارہے ہیں، مغرب کی اندھا دھند تقلید میں ہمارے یہاں بھی اولاد ان کو چھوڑ کر الگ ہوجاتی

ہے، اور اس بے حسی، ظلم، پر ذرا بھی شرمسار نہیں ہوتی موجودہ عہد میں والدین سے بد سلوکی، بدزبانی، طعنے دل دکھانے والی باتیں تو ایک معمول بن چکا ہے، اولاد اتنی مصروف ہو گئی ہے ان کے پاس ماں باپ کے پاس بیٹھنے، باتیں کرنے کا وقت نہیں ہے۔

مغرب میں اولاد اپنے ماں باپ کو اولڈ ہومز میں داخل کروا دیتے ہیں یہاں ان کو گھر میں تنہا چھوڑ دیا جاتا ہے، اولڈ ہومز میں تو بوڑھے اپنے دکھ درد، داستان حیات سنا سنا کر وقت گزاری کرتے ہیں، لیکن ہمارے ہاں ان کی باتیں سننے کا وقت بھی کسی کے پاس نہیں ہوتا، آخری عمر میں ان کا کیا حال ہوتا ہے؟، ان کو کتنی ذہنی اذیت دی جاتی ہے؟ اپنے اردگرد دیکھ لیں کیا پتا کہیں ہم بھی ان نافرمانوں میں شامل تو نہیں۔

والدین کے ساتھ بدسلوکی اور دیگر اسلامی آداب وحسنِ معاشرت سے غفلت کی اصل اور بنیادی وجہ دین اور دینی تعلیم کا ماحول نہ ملنا ہے، جس کے ذمہ دار والدین اور گھر و خاندان کے افراد ہیں، نئی نسل کے ذہنوں میں دین اور اس کی تعلیم کی اہمیت نہیں رہی حالانکہ دینی علوم ہی کے ذریعہ انسانیت کو دنیا وآخرت کی فوز وفلاح حاصل ہوتی ہے، اسلامی اقدار وروایات کا شعور دینی تعلیم کے بغیر ممکن نہیں ہے، صحیح عقائد اور دین کی بنیادی جانکاری کے بغیر نہ اسلام کو سمجھا جا سکتا ہے اور نہ اس کے احکام کی تعمیل کی جا سکتی ہے، ایک دوسرے کے حقوق کی پہچان اور پھر ان کی ادائیگی کا احساس دینی علوم اور اسلامی تعلیمات کے حصول کے بغیر ممکن ہی نہیں ہے۔

ہم کو ہر روز شام کو تھوڑا وقت والدین کو دینا چاہیے ان کی بنیادی ضروریات کا خیال رکھنا چاہیے، نرمی سے بات کرنی چاہیے، مغرب کی طرح سال میں کوئی ایک دن منانے کی بجائے اللہ کی خوشنودی کے لیے اس دن کو ہر روز منانا چاہیے، اللہ پاک سب کے والدین کا سایہ ان کے سروں پر سلامت رکھے اور جن کے والدین اس دنیا میں نہیں ہیں انہیں صبر عطا کرے، اور والدین کے مرنے کے بعد ان کے حقوق کی ادائیگی کی توفیق نصیب فرمائے آمین

درسِ قرآن

پریشانی ختم ضرور ہوگی

مولانا محمد ساجد حسن صاحب استاذ حدیث وتفسیر جامعہ مظاہر علوم سہارنپور

قَدْ سمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِیْ تُجَادِلُکَ فِی زَوْجِهَا وَ تَشْتَکِی اِلَی اللّٰهِ وَ اللّٰهُ یَسْمَعُ تَحَاوَرَ کُمَا اِنَّ اللّٰهَ سَمِیْعٌ بَصِیْرٌ★۔ (المجادلہ ۱)

یقیناً اللہ نے اس عورت کی بات سنی جو تجھ سے اپنے شوہر کے بارے میں گفتگو کررہی تھی اور اللہ کے آگے شکایت کررہی تھی، اللہ تعالیٰ تم دونوں کے سوال وجواب سن رہا تھا، بیشک اللہ تعالیٰ سننے والا دیکھنے والا ہے۔

شانِ نزول: خولہ بنت ثعلبہ کو ان کے شوہر اوس بن الصامت نے ناراض ہوکر یہ کلمہ کہہ دیا تھا (أنتِ عَلَیَّ کَظَهْرِ اُمِّی) کہ ''تو مجھ پر میری ماں کی طرح حرام ہے'' اور اس زمانہ میں یہ کلمہ سخت طلاق کا تھا کہ جس کے بعد شوہر بیوی کے ملنے اور حلال ہونے کی کوئی صورت نہ تھی خولہ کو بڑا رنج ہوا، خاوند سے محبت تھی اور بچوں والی بھی تھی اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی، حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ میں اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سر دھلا رہی تھی (وعَائِشَةُ تَغْسِلُ شِقَّ رَأسِهٖ) اس عورت نے اپنا تمام قصہ کہہ سنایا اور اپنی دردناک حالت بھی بیان کی کہ میں پہلے جوان، مالدار تھی اب عمر رسیدہ بھی ہوگئی اور چھوٹے چھوٹے بچے بھی ہیں اب میں کیا کروں؟ کہاں جاؤں؟

آپ نے فرمایا کہ اللہ نے اس معاملہ میں ابھی تک کوئی حکم نازل نہیں فرمایا میں سمجھتا ہوں کہ تو اس پر حرام ہوگئی، اب تم دونوں کیونکر مل سکتے ہو؟ وہ شکوہ وزاری کرنے لگی کہ گھر ویران ہوتا ہے، اولاد پریشان ہوتی ہے، جواب میں آپ وہی الفاظ فرماتے۔

آخر وہ مایوسانہ حالت میں آسمان کی طرف نگاہ اٹھا کر لگی رونے، جھینکنے، اے اللہ میں اپنی

تنہائی اور مصیبت کی فریاد تجھ سے کرتی ہوں! ان بچوں کو اگر اپنے پاس رکھوں تو بھوکے مریں گے، شوہر کے پاس چھوڑوں تو یوں ہی کس مپرسی میں ضائع ہوجائیں گے۔ (اِنْ ضَمَّمْتُھُمْ اِلَیَّ جَاعُوْا وَاِنْ ضَمَّمْتُھُمْ اِلَیْهِ ضَاعُوْا) اے اللہ تو اپنے نبی کی زبان سے میری مشکل کو حل فرما! میری مشکل کشائی کے لیے اپنے نبی پر کوئی حکم نازل فرما! (وَجَعَلَتْ تَرْفَعُ رَأْسَهَا اِلَی السَّمَاءِ وَتَقُوْلُ اَللّٰھُمَّ اَشْکُوْ اِلَیْکَ، اَللّٰھُمَّ فَاَنْزِلْ عَلٰی لِسَانِ نَبِیِّکَ فرجی) کہے جاتی تھی اے نبی! آپ پہ قربان جاؤں میرے معاملہ میں کچھ تدبیر وفکر کیجئے، حضرت عائشہؓ نے آثار وحی دیکھ کر اس عورت کو کہا چپ رہو، جب آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہوچکی تو آپ نے اس عورت کو بلا کر یہ آیت سنائی اور کفارہ کا حکم دے کر اس کو خاوند کے لیے جائز کر دیا۔

تشریح وتوضیح: اب شریعت مطہرہ میں سب سے سخت طلاق (تین طلاق) طلاق مغلظہ کہلاتی ہے جس سے بیوی حرام ہوجاتی ہے، مگر زمانہ جاہلیت میں ظہار اس سے بھی سخت تھا جو فرقت مؤبدہ اور دائمی حرمت، ہمیشہ کی جدائیگی سمجھا جاتا تھا، جس کے بعد زوجین کا ملاپ ہو ہی نہیں سکتا تھا، زمانہ جاہلیت کی اس رسم کی وجہ سے حضرت خولہ گھبرا گئیں اور اپنی درخواست بارگاہ رسالت میں اس مقصد سے پیش کی کہ شاید کسی جدید حکم کے تحت شوہر کے ساتھ میرے گذران کی کوئی گنجائش نکل آئے۔

اور حسب منشا جواب نہ پا کر اپنی تکالیف ودشواریوں کو بیان کرکے آپ کو متوجہ کر رہی ہے، اسی کو اللہ تعالیٰ نے مجادلہ سے تعبیر کیا ہے، اور آخر میں واویلا اور اللہ تعالیٰ سے اپنی فریاد شروع کردیتی ہے، حق تعالیٰ نے اس کی اس فریاد کا ازالہ کیا، اور یہ عزت بخشی کہ جواب میں قرآن کی آیات نازل ہوئیں، اسی بنا پر حضرات صحابہ کرام بھی اس عورت کا انتہائی احترام کرتے تھے۔

واقعہ: ایک روز حضرت فاروق اعظمؓ ایک مجمع کے ساتھ چلے جارہے تھے یہ عورت خولہ سامنے آکر کھڑی ہوگئیں کچھ کہنا چاہتی تھیں، حضرت عمرؓ نے راستہ میں ٹھہر کر ان کی بات سنی، بعض لوگوں نے کہا کہ آپ نے اس بڑھیا کی خاطر اتنے بڑے مجمع کو روکے رکھا تو

آپ نے فرمایا: کہ خبر ہے یہ کون ہے؟ یہ عورت وہ ہے جس کی بات اللہ تعالیٰ نے سات آسمانوں کے اوپر سنی، میں کون تھا کہ ان کی بات کو ٹال دیتا اگر یہ خود ہی رخصت نہ ہو جاتی تو میں رات تک ان کے ساتھ یہیں کھڑا رہتا۔ ھٰذِہِ الْعَجُوْزُ خَوْلَۃُ بِنْتُ ثَعْلَبَۃَ سَمِعَ اللّٰہُ قَوْلَھَا مِنْ فَوْقِ سَبْعِ سَمٰوٰاتٍ اَیَسْمَعُ رَبُّ الْعَالَمِیْنَ وَلَا یَسْمَعُ عُمَرُ (ابن کثیر)

ظہار کی تعریف: اپنی بیوی کو محرمات ابدیہ، ماں، بہن، بیٹی وغیرہ کے کسی ایسے عضو سے تشبیہ دینا جس کو دیکھنا اس کے لیے جائز نہیں، ماں کی پشت بھی اس کی ایک مثال ہے۔

ظہار کا حکم شرعی: اگلی آیات میں اس رسم جاہلیت کی دو طرح کی اصلاح کی گئیں (۱) اس رسم کو ناجائز اور گناہ قرار دیا گیا اور بتایا گیا کہ جس کو بیوی سے علاحدگی اختیار کرنی ہو، جدائیگی چاہتا ہو تو وہ طلاق کو اختیار کرے۔

(۲) اگر کوئی ناواقف، جاہل، غافل آدمی ایسا کر ہی بیٹھے تو اس سے بیوی ہمیشہ کے لیے تو حرام نہ ہوگی البتہ کفارہ دیئے بغیر حلال بھی نہ ہوگی۔

کفارہ :(۱) غلام آزاد کرے اگر اس کی گنجائش نہ ہو تو (۲) لگاتار ساٹھ دن کے روزے رکھے اگر اس کی بھی گنجائش نہ ہو تو (۳) ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے تب بیوی حلال ہوگی۔ (معارف القرآن)

پیغام:

آج امت مسلمہ طرح طرح کی پریشانیوں میں الجھی ہوئی ہے، ختم نہ ہونے والے مصائب کا سامنا ہے، ظلم وتعدی کا سلسلہ دراز سے دراز تر ہوتا جارہا ہے، راہ میں انصاف کا کوئی شجر سایہ دار بھی نہیں، کوئی ایسا بھی نہیں جو ظلم کو ظلم، اور غلط کو غلط کہہ سکے، بیگانے تو خیر بیگانے ہی رہے کوئی لگا، سگا، یگانہ بھی نہیں، انسانی حقوق کی دہائی دینے والوں کو بھی مسلمان انسان نظر نہیں آتے۔

سلامتی کونسل کے نام سے جمع سرمایہ دار مما لک میں پولیٹیکل امور، بین الاقوامی

تجارت اور قوانین میں چاہے جتنا اختلاف ہو مگر جب مسلم دنیا کو کوڑے مارنے کی نوبت آتی ہے تو سب ایک ہوجاتے ہیں بلکہ کوڑے پر سب کی گرفت مضبوط ہوجاتی ہے، بھورے ہوں یا کالے، یوروپی ہوں یا روسی، امت مسلمہ کو نوچنے کے لیے یہ سب گدھ ایک ہیں۔

مسلمانوں کے خون سے ہولی کھیلنا ان کے نزدیک جائز اور محبوب مشغلہ ہے۔

مارٹن اگر اپنے پالتو کتے کو ماردے تو ان کی عدالتیں مارٹن کو سزائیں سنا سکتی ہیں، ایک کتے کو اور وہ بھی اپنے پالتو کتے کو مارنے والا ان کی عدالت کی نگاہ میں مجرم ہوسکتا ہے مگر لاکھوں بے گناہ مسلمانوں کے خون سے دھرتی کو رنگین کرنے والا مجرم نہیں، ہیرو ہے۔

اظہار رائے کی آزادی کے نام پر اربوں مسلمانوں کی عقیدت پر حملہ کیا جارہا ہے، کشت و خوں ریزی اور انسانیت سوز مظالم، دل دہلانے والی خونی داستانیں تاریخ کے ہر ورق پر ثبت ہیں۔

مصیبتوں کے ازالہ کے لیے امت مسلمہ کو تلاش ہے کسی مسیحا کی مگر مسیحا آسمان سے تو نازل نہیں ہوگا، آپ خود مسیحا بن سکتے ہیں۔

ظہار میں تنگی کا مسئلہ تنہا ایک خولہ کا مسئلہ نہیں تھا پوری امت کے لیے تنگی کا مسئلہ تھا، مگر خولہ نے جب اسباب وسائل، علائق و وسائط سے منقطع ہوکر موجود تنگی کے لیے رونا، گڑگڑانا شروع کیا تو اللہ تعالیٰ نے تنہا ایک خولہ کی فریاد وفغاں آہ وزاری سے پوری امت کا مسئلہ حل کردیا، تو کیا پوری امت کے اللہ کے سامنے رونے، گڑگڑانے سے امت کی پریشانی رفع نہیں ہوگی، ہوگی، ضرور ہوگی، پریشانیوں کے ازالہ کی یہی ایک صورت ہے، روئیے اور کہئے:

تیرے دروازے کو کھٹکھٹانے کے سوا میرے پاس کوئی حیلہ اور تدبیر نہیں ہے، اور اگر تو نے ہی لوٹا دیا تو میں کس دروازہ کو کھٹکھٹاؤں گا۔

مَالِیْ سِوٰی قَرْعِی لِبَابِکَ حِیلة

وَلَئِنْ رَدَدْتَ فَاَیَّ بَابِ اَقْرَعُ

اللہ کا ولی اور اس پر انعامات خداوندی

مولانا محمد خالد سعید اعظمی استاذ تخصص فی الحدیث مظاہر علوم سہارنپور

أن عمر بن الخطاب قال: قال النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم: إن من عباد اللّٰہ لأناساً ماهم بأنبياء ولاشهداء يغبطهم الأنبياء والشهداء يوم القيامة بمكانهم من الله تعالىٰ، قالوا: يارسول الله تخبرنا من هم؟ قال: هم قوم تحابوا بروح الله على غير أرحام بينهم ولاأموال يتعاطَونها، فوالله إن وجوههم لنور، وإنهم على نور، لايخافون إذا خاف الناس، ولايحزنون إذاحزن الناس، وقرأهذه الآية "ألا! إن أولياءاللّٰہ لاخوف عليهم ولاهم يحزنون"

(رواه أبوداود في البيوع والإجارات، باب في الرهن ۳/۱۳ ۵/رقم الحديث ۳۵۲۷ بروایة ابن داسه، ورواه أبويعلى في مسنده ۱۰/۴۹۵ (۶۱۱۰) من حديث أبي هريرة نحوه)

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بلا شبہ اللہ کے بندوں میں سے کچھ لوگ ایسے ہیں جو نبی وشہید نہیں ہیں مگر انبیاء وشہداء بھی قیامت کے دن ان پر اللہ کے یہاں ان کے مقام ومرتبے کی وجہ سے رشک کریں گے، لوگوں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم آپ ہمیں بتلادیں کہ وہ کون لوگ ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ ایسے لوگ ہیں جو آپس میں رشتہ داری اور مالی لین دین کے بغیر قرآن کی وجہ سے ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں، بخدا ان کے چہرے نور (انتہائی روشن) ہوں گے، وہ نور کے اوپر ہوں گے، ان پر خوف اور غم نہیں ہوگا، جب لوگوں پر خوف وغم ہوگا، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت کریمہ پڑھی ألا إن أولياء الله الخ یعنی یادرکھو اللہ کے

دوستوں پر نہ کوئی اندیشہ ہے اور نہ وہ مغموم ہوتے ہیں۔

اس حدیث شریف میں اولیاء کرام کے مقام ومرتبہ کو بیان فرمایا گیا ہے کہ قیامت کے دن اللہ کے یہاں ان کو جومرتبہ حاصل ہوگا اس پر انبیاء وشہداء بھی رشک کریں گے، اولیاء کرام کے تمام اعمال اللہ کی رضا کی خاطر ہی ہوتے ہیں، چنانچہ اس حدیث میں ان کی ایک علامت یہ ذکر فرمائی گئی ہے کہ وہ لوگ صرف اللہ کے واسطے آپس میں ایک دوسرے سے محبت کریں گے اوران کی یہ محبت نہ کسی رشتہ داری کی وجہ سے ہوگی اور نہ کسی مالی لین دین، کاروبار، تجارت یادیگر کوئی دنیوی منفعت اورغرض کی وجہ سے ہوگی، ''قوم تحابوا بروح اللہ'' یہاں روح اللہ سے قرآن کریم مراد ہے کیوں کہ اس سے قلوب کو حیات حاصل ہوتی ہے جس طرح اجسام کو ارواح سے حیات حاصل ہوتی ہے، علامہ خطابیؒ فرماتے ہیں :فسروہ القرآن، ...وسماہ روحاً، واللہ اعلم لأن قلوب تحیی بہ کما تکون حیاۃ النفوس والأبدان بالأرواح (معالم السنن ۲/۱۴۰)

مسند ابی یعلی میں حدیث ابوہریرہؓ ''قوم تحابوا بنور اللہ'' اورتفسیر ابن کثیر میں ''قوم تحابّوا فی اللہ'' وارد ہوا ہے، ان الفاظ روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ کتاب اللہ کے حکم کی وجہ سے اور اللہ نے ان کے قلوب مین ایمان وتقوی کا جونور پیدا فرمادیا ہے اس کی بنا پر محض اللہ کی رضا کے لیے آپس میں محبت کریں گے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت ابن عباسؓ اوراسلاف میں سے کئی ایک سے اولیاء اللہ کی ایک علامت یہ منقول ہے کہ اولیاء اللہ وہ لوگ ہیں جن کو دیکھنے سے اللہ کی یاد آتی ہو، اوریہ مضمون بعض مرفوع روایات میں بھی مذکور ہوا ہے،

(تفسیر ابن کثیر ۲/۵۵۲، تفسیر الطبری سورۃ یونس آیت ۶۲، الأولیاء لابن أبی الدنیا: رقم الحدیث ۲۶ و۲۷)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "ألا إن أولیاء اللہ لا خوف علیهم ولا هم یحزنون، الذین آمنوا وکانوا یتقون، لهم البشری فی الحیوة الدنیا وفی الآخرة، لا تبدیل لکلمٰت اللہ ذلک هو الفوز العظیم"

ان آیات میں اولیاء اللہ کا حال اور مآل بیان فرمایا گیا ہے کہ اولیاء اللہ وہ لوگ ہیں جو ایمان اور تقوی کے ساتھ موصوف ہوں، جس درجہ کا ایمان اور تقوی ہوگا اسی درجہ کی ولایت ہوگی اس اعتبار سے ہر مومن ولی ہے۔

اور کتاب وسنت کے عرف میں ''ولی'' اس شخص کو کہتے ہیں جس میں ایک خاص اور ممتاز درجہ کا ایمان اور تقوی پایا جاتا ہو، وہ یہ کہ اللہ کی عظمت اور اس کا جلال ہر وقت اس کی نظروں کے سامنے ہو اور اس کا قلب اللہ کی محبت اور اس کی خشیت سے لبریز ہو، اور لفظ ''الذین آمنوا و کانو یتقون'' اولیاء اللہ کی تعریف ہے کہ اللہ کا ولی وہ ہے جو نور ایمانی اور نور تقوی سے منور ہو یعنی قوت نظریہ اور قوت عملیہ کے لحاظ سے کامل اور مکمل ہو، یا بالفاظ دیگر ولی وہ ہے جو ایمان میں کامل ہو، اور حتی الوسع حق عبودیت میں مقصّر (کوتاہی کرنے والا) نہ ہو (معارف القرآن از مولانا ادریس کاندھلوی ۳/ ۴۸۳)

حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ فرماتے ہیں کہ ولایت خاصہ کے درجات بے شمار اور غیر متناہی ہیں، اس کا اعلیٰ درجہ انبیاء علیہم السلام کا حصہ ہے، کیونکہ ہر نبی کا ولی ہونا لازمی ہے اور اس میں سب سے اونچا مقام سید الانبیاء نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے، اور ادنی درجہ اس ولایت کا وہ ہے جس کو صوفیائے کرام کی اصطلاح میں درجہ فنا کہا جاتا ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ آدمی کا قلب اللہ تعالیٰ کی یاد میں ایسا مستغرق ہو کہ دنیا میں کسی کی محبت اس پر غالب نہ آئے، وہ جس سے محبت کرتا ہے تو اللہ کے لیے کرتا ہے جس سے نفرت کرتا ہے تو اللہ کے لیے کرتا ہے، اس کے حب وبغض اور محبت وعداوت میں اپنی ذات کا کوئی حصہ نہیں ہوتا، جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس کا ظاہر و باطن اللہ تعالی کی رضا جوئی میں مشغول رہتا ہے اور وہ ہر ایسی چیز سے پرہیز کرتا ہے جو اللہ تعالی کے نزدیک ناپسند ہو، اسی حالت کی علامت ہے کثرت ذکر اور دوام اطاعت، یعنی اللہ تعالی کو کثرت سے یاد کرنا اور ہمیشہ ہر حال میں اس کے احکام کی طاعت کرنا، یہ دو وصف جس شخص میں موجود ہوں وہ ولی اللہ کہلاتا ہے، اور جس میں ان دونوں میں سے کوئی ایک نہ ہو وہ اس

فہرست میں داخل نہیں، اور پھر جس میں یہ دونوں موجود ہوں اس کے درجات ادنیٰ واعلیٰ کی کوئی حد نہیں، انہیں درجات کے اعتبار سے اولیاء اللہ کے درجات متفاضل اور کم وبیش ہوتے ہیں۔
(معارف القرآن ۴/۵۴۹)

عوام نے کشف وکرامت کو ولایت کی نشانی اور اولیاء اللہ کی خاص علامت سمجھ رکھا ہے مگر ان کا یہ خیال غلط ہے، کشف وکرامات کوئی معیار ولایت نہیں ہے، کیوں کہ کتنے ہی اولیاء اللہ گذرے ہیں جن سے اس طرح کی کوئی چیز ثابت نہیں ہے، جب کہ اس کے برخلاف بہت سے غیر اولیاء جن کا ایمان بھی درست نہیں ان سے خرق عادات اور انکشاف غیبی وغیرہ کا ظہور بطور استدراج پایا جاتا ہے۔

ألا إن اولیاء اللہ... الخ ان آیات میں اولیاء اللہ کے لیے بڑی بشارتیں مذکور ہیں، پہلی بات تو یہی کہ اولیاء اللہ پر خوف وغم نہیں ہوتا، اس سے یہ بھی مراد ہوسکتا ہے کہ آخرت میں جب ان کو جنت میں داخل کردیا جائے گا تو خوف وغم سے ہمیشہ کے لیے نجات ہوجائے گی، نہ کسی تکلیف و پریشانی کا خطرہ رہے گا نہ کسی محبوب ومطلوب چیز کے ہاتھ سے نکل جانے کا غم ہوگا۔

اور بہت سے مفسرین نے فرمایا کہ اولیاء اللہ پر خوف وغم نہ ہونا دنیا وآخرت دونوں کے لیے عام ہے، اور اولیاء اللہ کی خصوصیت یہی ہے کہ دنیا میں بھی وہ خوف وغم سے محفوظ ہیں اور آخرت میں ان پر خوف وغم نہ ہونا تو معلوم ہی ہے اور اس میں سب اہل جنت داخل ہیں، اور اولیاء کا دنیا میں خوف وغم سے محفوظ ہونا اس اعتبار سے ہے کہ جن چیزوں کے خوف وغم میں عام طور سے اہل دنیا مبتلا رہتے ہیں کہ دنیوی مقاصد آرام وراحت، عزت ودولت میں ذراسی کمی ہوجانے پر مرنے لگتے ہیں اور ذرا ذراسی تکلیف و پریشانی کے خوف سے ان سے بچنے کی تدبیروں میں دن رات کھوئے رہتے ہیں، اولیاء اللہ کا مقام ان سب سے بلند وبالا ہوتا ہے، ان کی نظر میں نہ دنیا کی فانی عزت ودولت، راحت وآرام کوئی چیز ہے جس کے حاصل کرنے میں سرگرداں ہوں، اور نہ یہاں کی محنت وکلفت اور رنج کچھ قابل التفات ہے جس کی مدافعت میں

پریشان ہوں، بلکہ ان پر اللہ جل شانہ کی عظمت ومحبت اور خوف وخشیت ایسی چھائی ہوتی ہے کہ اس کے مقابلے میں دنیا کا رنج وراحت اور سود وزیاں کچھ حیثیت نہیں رکھتا۔(معارف القرآن)

اور اولیاء اللہ کے لیے دنیا وآخرت دونوں جہاں کی بشارت وخوش خبری ہے، دنیا میں کئی طرح کی بشارتیں ہیں ایک تو وہی ”لاخوف علیھم ولاھم یحزنون“ جو ذکر کی گئی، اور ایک بشارت وہ ہے جو ملائکہ ان کو موت کے وقت دیں گے: ”ألّا تخافوا ولاتحزنوا وابشروا بالجنۃالتی کنتم توعدون“ (حم السجدۃ) تم خوف نہ کرو اور غم نہ کرو اور بشارت سن لو اس جنت کی جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا، اور ایک حدیث میں ہے کہ دنیوی بشارت سے مراد وہ سچا خواب ہے جو مومن خود دیکھتا ہے، یا اس کے متعلق کسی دوسرے مومن کو دکھلایا جاتا ہے۔(مسلم ۱/۱۹۱)

اسی طرح ذکر جمیل اور اچھی تعریف بھی مومن کے لیے دنیوی بشارت ہے، حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ آدمی اللہ کے لیے عمل کرتا ہے تو لوگ اس پر اس سے محبت کرنے لگتے ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”ذلک عاجل بشری المؤمن“ یہ مومن کے لیے نقد بشارت ہے“ (مسلم ۲/۳۳۲، ابن ماجہ ص ۳۱۱) یعنی عام مسلمان بغیر کسی غرض کے اس سے محبت کریں اور اچھا سمجھیں تو یہ دنیوی بشارت، اخروی بشارت یعنی جنت کی دلیل ہے۔

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لاالہ الا اللہ والوں کو نہ موت کے وقت وحشت ہوگی اور نہ قبر میں اور نہ قبر سے اٹھنے کے وقت، اور گویا میں لاالہ الا اللہ والوں کو دیکھ رہا ہوں کہ وہ اپنے سروں سے مٹی جھاڑ رہے ہیں اور یہ کہہ رہے ہیں کہ الحمدللہ الذي أذهب عنا الحزن یعنی اللہ کا شکر ہے جس نے ہمارا رنج وغم دور کردیا۔

”عن ابن عمر قال: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: لیس علی أهل لا إله إلا الله وحشة عند الموت ولا عند القبر“ (المعجم الأوسط ۴۷۲/۶ (۹۴۴۵)) وفي رواية أخرى: لیس علی أهل لا إله إلا الله وحشة في قبورهم ولا منشرهم، وكأني أنظر إلى أهل لا إله إلا الله وهم ينفضون

التراب عن رؤوسهم ويقولون: الحمد لله الذي أذهب عنا الحزن ۔(الأوسط ۹۴۷۸)

اوراخروی بشارت جنت اوراس کی نعمتیں ہیں اللہ تعالیٰ کاارشاد ہے: ’’وبشر الذین آمنو وعملوا الصالحات أن لهم جنت تجري من تحتها الأنهار ‘‘اورآپ بشارت سنادیجئے ان لوگوں کو جوایمان لائے اورنیک عمل کیے کہ ان کے لیے جنتیں ہیں جن کے نیچے سے نہریں بہتی ہوں گی۔(البقرة ۲۵)

إن الله يدخل الذين آمنوا وعملوا الصلحت جنت تجري من تحتها الأنهر يحلون فيها من أساور من ذهب ولؤلؤاً ولباسهم فيها حرير ۔(الحج ۲۳) بے شک اللہ داخل کرے گا ان کو جو یقین لائے اورکیں بھلائیاں باغوں میں، بہتی ہیں ان کے نیچے نہریں گہنا پہنائیں گے ان کو وہاں کنگن سونے کے اورموتی، اوران کو پوشاک ہے وہاں ریشم کی۔(معارف القرآن ۶: ۸۴)

لاتبديل لكلمٰت الله ذلک هو الفوز العظيم ‘‘اللہ کی باتوں میں کوئی تبدیلی ممکن نہیں، اللہ کے سب وعدے اٹل ہیں، اللہ نے اپنے اولیاء سے جووعدے کئے ہیں وہ ضرور پورے ہوں گے، اور یہ بشارت بڑی کامیابی ہے۔

ایک اہم تنبیہ:- آج بین الاقوامی سطح پرعلماء وصلحاء سے بدظن کرنے کی عظیم سازشیں ہورہی ہیں اس لیے تمام مسلمانوں کو بہت ہوش مندی سے کام لینے کی ضرورت ہے کہ وہ ان سازشوں کا شکار ہوکرعلماء وصلحاء اوراولیاء اللہ سے بغض وعناد رکھ کرخود اپنے ہاتھوں اپنی تباہی وبربادی کا سامان نہ کریں، اور یہ سازشیں کوئی نئی نہیں ہیں، بلکہ ابتدائے اسلام سے ہی جاری ہیں اوران سازشوں کا شکار ہوکر بہت سے بدنصیب لوگوں نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم (جن کے مرتبہ کو بعد کا کوئی بڑے سے بڑا ولی بھی نہیں پہنچ سکتا) سے بغض اوردشمنی کی اورسب وشتم اورطعن وتشنیع کا نشانہ بنا کرخود اپنی تباہی کا سامان کیا اورآج بھی کررہے ہیں، اس لیے ہمیشہ حدیث پاک ’’من عادى لي ولياً فقد آذنته بالحرب‘‘ کو پیش نظر رکھ کراللہ کے نیک بندوں، اولیاء، علماء اورصلحاء سے بغض وعناد اوردشمنی سے ڈرنا اوربچنا چاہئے۔

جشن میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم

ایک لمحۂ فکریہ

مفتی محمد تقی عثمانی

۱۲ / ربیع الاول کو عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم منانے کا رواج کچھ عرصہ سے مسلسل چلا آرہا ہے، یہ دن منانے کی رسم ہم میں عیسائیوں اور ہندوؤں سے آئی ہے، تاریخ اسلام کے ابتدائی دور میں اس کی کوئی بنیاد نہیں ملتی، لہٰذا اس رسم کی حوصلہ افزائی کے بجائے حوصلہ شکنی کرنی چاہیے، مسلمانوں کا اصل کام یہ ہے کہ وہ ان رسمی مظاہروں کے بجائے سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کی طرف متوجہ ہوں اور ایک دن میں عید میلاد منا کر فارغ ہوجانے کے بجائے اپنی پوری زندگی کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کے سانچے میں ڈھالنے کی فکر کریں۔

شروع میں محفل میلاد کا تصور ایک ایسی مجلس کی حد تک محدود تھا جس میں سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت کا بیان کیا جاتا ہو، لیکن انسان کا نفس اس قدر شریر واقع ہوا ہے کہ جو کام وحی کی راہ نمائی کے بغیر شروع کیا جاتا ہے، وہ ابتدا میں خواہ کتنا مقدس نظر آتا ہو، لیکن رفتہ رفتہ اس میں نفسانی لذت کے مواقع تلاش کر لیتا ہے اور اس کا حلیہ بگاڑ کر چھوڑتا ہے، چناں چہ اب اللہ کے محبوب ترین پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے مقدس نام پر جو کچھ ہونے لگا ہے، اسے سن کر پیشانی عرق عرق ہوجاتی ہے۔

ہر سال ’’عید میلاد النبی‘‘ کے نام سے ایسے ایسے شرم ناک مظاہرے کیے جاتے ہیں کہ ان کے انجام کے تصور سے روح کانپ اٹھتی ہے، مختلف محلوں کو رنگین روشنیوں سے دلہن بنایا جاتا ہے اور شہر کے تقریباً تمام ہوٹلوں میں عید میلاد اس طرح منائی جاتی ہے کہ لاؤڈ اسپیکر لگا کر بلند آواز سے شب وروز ریکارڈنگ کا طوفان برپا رہتا ہے، بہت سے مقامات پر شاید تبرک کے خیال سے

خانہ کعبہ اور روضہ اقدس کی تصویریں بھی چسپاں کردی جاتی ہیں، ایک محلہ میں قدم قدم پر روضہ اطہر اور مسجد نبوی کی شبیہیں بنا کر کھڑی کی جاتی ہیں، جنہیں کچھ بے فکرے نوجوان ایک تفریح گاہ کے طور پر استعمال کرتے ہیں اور کچھ بے پردہ عورتیں انہیں چھو چھو کر ''خیر و برکت'' حاصل کرتی ہیں اور ظاہر ہے کہ جب پورے محلہ کو روشنیوں میں نہلا کر، جگہ جگہ محرابیں کھڑی کر کے اور قدم قدم پر فلمی ریکارڈ بجا کر ایک میلے کا سماں پیدا کر دیا جائے تو پھر عورتیں اور بچے ایسے میلے کو دیکھنے کے لیے کیوں نہ پہنچیں جس میں میلے کا لطف بھی ہے اور (معاذ اللہ) تعظیم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ثواب بھی؟! چناں چہ راتوں کو دیر تک یہاں تفریح باز مردوں، عورتوں اور بچوں کا ایسا مخلوط اجتماع رہتا ہے جس میں بے پردگی، غنڈہ گردی اور بے حیائی کو کھلی چھوٹ ملی ہوتی ہے۔

راقم الحروف ایک روز ایک محلے سے گزرتے ہوئے یہ دل دوز مناظر اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا تھا اور اس آیت قرآنی کے تصور سے روح کانپ رہی تھی، جس کا ترجمہ یہ ہے:

''اور ایسے لوگوں سے بالکل کنارہ کشی اختیار کرلو جنہوں نے اپنے دین کو کھیل تماشہ بنا رکھا ہے اور دنیاوی زندگی نے ان کو دھوکہ میں ڈال دیا ہے اور اس قرآن کے ذریعے ان کو نصیحت کرو، تاکہ کوئی شخص اپنے کیے میں اس طرح گرفتار نہ ہو جائے کہ اللہ کے سوا اس کا کوئی حمایتی اور سفارش کرنے والا نہ ہو اور اگر وہ دنیا بھر کا معاوضہ دے ڈالے تب بھی نہ لیا جائے، یہ وہی لوگ ہیں جو اپنے کیے میں گرفتار ہوئے، ان کے لیے کھولتا ہوا پانی پینے کے لیے ہوگا اور کفر کے سبب دردناک سزا ہوگی۔''

اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو اس آیت کا مصداق بننے سے محفوظ رکھے، لیکن واقعہ یہ ہے کہ اس محلے سے گزرتے ہوئے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کا لایا ہوا دین پکار پکار کر یہ فریاد کررہا ہے کہ ''محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے نام لیواؤ! تم گم راہی اور بے حسی کے کس اندھے غار میں جا گرے ہو؟ کیا سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے احسانات کا بدلہ یہی ہے کہ انہی کی محبت و عظمت کے نام پر ان کی ایک ایک تعلیم کو جھٹلاؤ؟ ان کے ایک ایک حکم کی نافرمانی کرو؟ اور ان کی یاد منانے کے بہانے جاہلیت کی ان تمام رسموں کو زندہ کر کے چھوڑو جنہیں اپنے قدموں تلے روندنے

کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تھے؟ خدا کے لیے سوچو کہ جس ذات کو سازو رباب اور چنگ و بربط کے توڑنے کے لیے مبعوث کیا گیا تھا، اس کے ''جشن ولادت'' میں ساز و رباب سے کھیل کر تم کس غضب الٰہی کو دعوت دے رہے ہو؟ جس ذات نے عورت کے سر پر عفت وعصمت کا تاج رکھا تھا اور جس نے اس کے گلے میں عزت وآبرو کے ہار ڈالے تھے، اس کی محبت وتقدیس کے نام پر تم عورت کو بے پردگی اور بے حیائی کے کس میلے میں کھینچ لائے ہو؟ جس ذات نے نام ونمود، ریا ونمائش، اسراف وتبذیر سے منع کیا تھا، یہ نمائشیں منعقد کر کے تم کس کی خوش نودی حاصل کرنا چاہتے ہو؟ اگر دین کی کوئی صحیح خدمت تم سے نہیں ہوسکتی، اگر تم اپنی عام زندگی میں اللہ کی نافرمانیوں کو ترک نہیں کرسکتے، اگر محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات تمہارے عیش پرست مزاج کو بار معلوم ہوتی ہیں، تو تمہاری زندگی کے بہت سے شعبے اس عیش پرستی کے لیے کافی ہیں، خدا کے لیے اللہ کے محبوب ترین پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر ہوا و ہوس کا یہ بازار لگا کر اس نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کا مذاق تو نہ اڑاؤ، اس کے تقدس اور پاکیزگی کے آگے فرشتوں کی گردنیں بھی خم ہوجاتی ہیں، اپنے گریبانوں میں منہ ڈال کر دیکھو کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک ایک حکم کی نافرمانی کرنے کے بعد تم کس چیز کی خوشی میں اپنے در و دیوار پر چراغاں کررہے ہو؟ کیا تمھیں اس بات کی خوشی ہے کہ تم نے اپنی عملی زندگی میں اس دین برحق کی کوئی قدر صحیح سالم نہیں دیکھی؟''

لیکن عیش ونشاط کی گونجتی ہوئی محفلوں میں کون تھا جو دین مظلوم کی اس فریاد کو سن سکتا؟

جب کسی مذہب کے پیروکار محض ظاہری رسموں اور نمائشوں میں الجھ جاتے ہیں تو رفتہ رفتہ اس مذہب کی اصل تعلیمات مٹتی چلی جاتی ہیں اور بالآخر بے جان رسوم کا ایک ایسا ملغوبہ باقی رہ جاتا ہے جس کا مقصد انسانی نفسانی خواہشات کی حکم رانی کے سوا کچھ نہیں ہوتا اور جو مادہ پرستی کی بدترین شکل ہے، ان تمام تقریبات کا اصل مقصد تو یہ ہونا چاہیے تھا کہ ان کے ذریعہ وہ خاص شخصیت یا وہ خاص واقعہ ذہن میں تازہ ہو جس کی یاد میں وہ تقریب منعقد کی جارہی ہے اور پھر اس سے اپنی زندگی میں سبق حاصل کیا جائے، لیکن انسان کا نفس بڑا شریر واقع ہوا ہے، اس نے ان

تہواروں کی اصل روح کو تو بھلا کر، نابود کر دیا اور صرف وہ چیزیں لے کر بیٹھ گیا جس سے لذت اندوزی اور عیش پرستی کی راہ کھلتی تھی، اس کی وضاحت ایک مثال سے ہو سکے گی۔

عیسائی قومیں ہر سال ۲۵ دسمبر کو کرسمس کا جشن مناتی ہیں، یہ جشن دراصل حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا جشن ولادت ہے اور اس کی ابتدا اسی مقدس انداز سے ہوئی تھی کہ اس دن حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور آپ کی تعلیمات کو لوگوں میں عام کیا جائے گا، چناں چہ ابتدا میں اس کی تمام تقریبات کلیسا میں انجام پاتی تھیں اور ان میں کچھ مذہبی رسوم ادا کی جایا کرتی تھیں، رفتہ رفتہ اس جشن کا سلسلہ کہاں سے کہاں تک پہنچ گیا؟ اس کی مختصر داستان، جشن وتقریبات کی ایک ماہر مصنفہ ہیرزلٹائن ہے، اس سے سنیے، وہ انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا کے مقالہ ''کرسمس''میں لکھتی ہیں:

کئی صدیوں تک کرسمس خالصتاً ایک کلیسا کا تہوار تھا، جسے کچھ مذہبی رسوم ادا کر کے منایا جاتا تھا، لیکن جب عیسائی مذہب بت پرستوں کے ممالک میں پہنچا تو اس میں ''سریانی نقطہ انقلاب'' کی بہت سی تقریبات شامل ہوگئیں اور اس کا سبب گریگوری اعظم (اول) کی آزاد خیالی اور اس کے ساتھ مبلغین عیسائیت کا تعاون تھا، اس طرح کرسمس ایک ایسا تہوار بن گیا جو بیک وقت مذہبی بھی تھا اور لادینی بھی، اس میں تقدس کا پہلو بھی تھا اور لطف اندوزی کا سامان بھی۔

اب کرسمس کس طرح منایا جانے لگا؟ اس کو بیان کرتے ہوئے ''میری ہیرزلٹائن''لکھتی ہیں:

رومی لوگ اپنی عبادت گاہوں اور اپنے گھروں کو سبز جھاڑیوں اور پھولوں سے سجاتے تھے، ڈرائڈس (پرانے زمانے کے پادری) بڑے تزک واحتشام سے امر بیلیں جمع کرتے اور اسے اپنے گھروں میں لٹکاتے، سیکسن قوم کے لوگ سدا بہار پودے استعمال کرتے۔

انہوں نے آگے بتایا ہے کہ:

کس طرح شجر کرسمس (Chirstmas Tree) کا رواج چلا، چراغاں اور آتش بازی کے مشغلے اختیار کیے گئے، قربانی کی عبادت کی جگہ شاہ بلوط کے درخت نے لے لی، مذہبی نغموں کی جگہ عام خوشی کے نغمے گائے گئے اور موسیقی کرسمس کا ایک عظیم جزو بن گئی۔

مقالہ نگار آگے رقم طراز ہے:

اگرچہ کرسمس میں زیادہ زور مذہبی پہلو پر دیا گیا تھا، لیکن عوامی جوش وخروش نے نشاط انگیزی کو اس کے ساتھ شامل کر کے چھوڑا۔

اور پھر...... گانا بجانا، کھیل کود، رقص، ناٹک بازی اور پریوں کے ڈرامے تقریبات کا حصہ ہو گئے۔(انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا ص، ۶۴۲۔اے ج ۵، مطبوعہ ۱۹۵۰ء مقالہ ''کرسمس'')

ایک طرف کرسمس کے ارتقاء کی یہ مختصر تاریخ ذہن میں رکھیے اور دوسری طرف اس طرزعمل پر غور کیجیے، جو چند سالوں سے ہم نے جشن عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم منانے کے لیے اختیار کیا ہوا ہے، کیا اس سے یہ حقیقت بے نقاب نہیں ہوتی کہ:

ایں رہ کہ تو می روی بہ ترکستان است

اسلام اس عالم الغیب کا مقرر کیا ہوا دین ہے جو اس کائنات کے ذرہ ذرہ سے باخبر ہے اور جس کے علم محیط کے آگے ماضی، حال اور مستقبل کی سرحدیں بے معنی ہیں، وہ انسانی نفس کی ان فریب کاریوں سے پوری طرح واقف ہے جو تقدس کا لبادہ اوڑھ کر انسانیت کو گم راہ کرتی ہیں، اس لیے اس نے خاص خاص واقعات کی یادگار قائم کرنے کے لیے ان تمام طریقوں سے پرہیز کا حکم دیا ہے، جو ان کی اصل روح کو فنا کر کے انہیں عیش وعشرت کی چند ظاہری رسوم کے لیے بہانہ بنا سکتے ہوں، چناں چہ صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اور تابعین کے دور میں ہمیں کہیں نظر نہیں آتا کہ انہوں نے سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت جیسے عظیم الشان واقعہ کا کوئی دن منایا ہو، اس کے برخلاف ان کی تمام تر توجہات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کو اپنانے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغام کو پھیلانے کی طرف مرکوز رہیں اور اسی کا نتیجہ ہے کہ چودہ سو سال گزرنے پر بھی ہم مسلمان بیٹھے ہیں اور اگر اسلام پر عمل کرنا چاہیں تو یہ دین ٹھیک اسی طرح محفوظ ہے جس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام علیہم الرضوان تک پہنچایا تھا۔

لہٰذا اگر ہم اپنے اسلاف کے اس طرزِ عمل کو چھوڑ کر غیر مسلم اقوام کے دن منانے کے طریقے کو اپنائیں گے تو مطلب یہ ہوگا کہ ہم دین کے نام پر کھیل تماشوں کے اسی راستے پر جارہے ہیں جس سے اسلام نے بڑی احتیاطی تدابیر کے ساتھ ہمیں بچایا تھا، آپ کو معلوم ہے کہ اسلام نے غیر مسلم اقوام کی مشابہت سے پرہیز کرنے کی جابجا انتہائی تدبیر کے ساتھ تلقین فرمائی ہے، انتہا یہ ہے کہ عاشورہ محرم کا روزہ، جو ہر اعتبار سے ایک نیکی ہی نیکی تھی، اس میں یہودیوں کی مشابہت سے بچانے کے لیے یہ حکم دیا گیا کہ صرف دس تاریخ کا روزہ نہ رکھا جائے، بلکہ اس کے ساتھ نو یا گیارہ تاریخ کا روزہ بھی رکھا جائے، تاکہ مسلمانوں کا روزہ عاشورۂ یہود سے ممتاز ہوجائے۔

غور فرمائیے کہ جس دین حنیف نے اس باریک بینی کے ساتھ غیر مسلم اقوام کی تقلید، بلکہ مشابہت سے بچانے کی کوشش کی ہے، اس کو یہ کیسے گوارا ہوسکتا ہے کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا یوم پیدائش منانے کے لیے ان کی نقالی شروع کردی جائے جنہوں نے اپنے دین کو بگاڑ بگاڑ کر کھیل تماشوں میں تبدیل کردیا ہے؟

مذکورہ بالا حقائق کے پیش نظر ہم اپنے ملک کے تمام علماء، دینی راہ نما، مذہبی جماعتوں اور با اثر مسلمانوں سے اپیل کرتے ہیں کہ وہ اس مسئلے پر پوری سنجیدگی کے ساتھ غور فرمائیں، ہماری یہ اپیل صرف اہل حدیث اور دیوبندی مکتب فکر کے حضرات کی حد تک محدود نہیں، بلکہ ہم بریلوی مکتب فکر کے حضرات سے بھی یہی گزارش کرنا چاہتے ہیں ''عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم'' کے نام پر جو الم ناک حرکتیں اب شروع ہوگئی ہیں، وہ یقیناً ان کو بھی گوارا نہیں ہوں گی۔

طابع، ناشر، مدیر (مولانا) محمد سلمان (صاحب) ناظم مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور نے
سہارنپور الیکٹرک پریس سہارنپور سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ مظاہر علوم سہارنپور سے شائع کیا

عالمی امن کے قیام میں سیرت پاک کی رہنمائی

مولانا اسرار الحق قاسمی
صدر آل انڈیا تعلیمی وملی فاؤنڈیشن وممبر پارلیمنٹ آف انڈیا

اسلامی کلینڈر کا تیسرا مہینہ ربیع الاول مسلمانوں کے یہاں غیر معمولی اہمیت رکھتا ہے، مختلف ممالک اور مختلف مکاتبِ فکر کے مسلمان اس مہینے میں اپنے اپنے طور پر بعض عملی یا علمی سرگرمیاں انجام دیتے ہیں، یہ مہینہ ان کے اس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت سے تعلق رکھتا ہے، جس کی پوری زندگی انسانیت کو جوڑنے، متحد کرنے، کائنات کے لیے خیر وفلاح کی جدوجہد کرنے اور انسانیت کو دنیا وآخرت کی حرماں نصیبیوں سے نجات دلانے کے لیے ہوئی تھی اور اس نے ان سارے خطوط پر نہایت ہی جامعیت کے ساتھ کام کیا؛ چنانچہ دنیا نے دیکھا کہ وہ ایک ایسا معلم، مربی، سیاست داں، قائد وراہنما اور لیڈر ثابت ہوا کہ اس سے پہلے دنیا نے اس کی مثال نہیں دیکھی تھی، نہ اس کے بعد کوئی ایسا انسان اس روئے زمین پر پیدا ہوا اور نہ ہوگا، مگر اسی نبی کو ماننے والے اسی کی یاد میں عجیب وغریب حرکتیں کرتے پھرتے ہیں، جن کا اسلام سے اور پیغمبر اسلام کی تعلیمات سے قطعاً کوئی تعلق نہیں ہے بلکہ ان سے سختی سے احتراز کرنے کی تاکید کی گئی ہے، اس ماہ میں رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کی مناسبت سے موجودہ دنیا کو درپیش ایک اہم مسئلے کے خاتمے میں سیرت رسول کی رہنمائی کے تعلق سے کچھ باتیں عرض کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔

مسئلہ بدامنی، انتشار اور دہشت گردی کا ہے جس سے آج پوری دنیا دوچار ہے، مگر نقصان سب سے زیادہ مسلمانوں کا ہو رہا ہے، دہشت گردی کے شکار بھی مسلمان ہیں جبکہ عالمی سطح پر دہشت گردی میں ملوث ہونے کے الزامات بھی عموماً مسلمانوں کے ہی سر ہیں۔

تاریخ گواہ ہے کہ جب پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی، اس وقت بھی پوری دنیا خوں ریزی وقتل وغارت گری کی آماجگاہ بنی ہوئی تھی، خاص طور سے عرب میں تشدد اور قتل وغارتگری انتہا کو پہنچ چکی تھی، وہاں بات بات پر تلواریں میان سے باہر نکل آتی تھیں، پھر دو قبیلوں کے درمیان ایسی جنگ چھڑتی جو عرصۂ دراز تک چلتی رہتی اور اس جنگ میں کتنے ہی لوگ مارے جاتے، کتنی عورتیں بیوہ ہوجاتیں اور کتنے بچے یتیم ہوجاتے، اوس وخزرج کے درمیان تو معرکہ آرائی اس قدر طویل زمانہ سے چل رہی تھی اور اس قدر سنگین رخ اختیار کرگئی تھی کہ یہ تصور بھی نہیں کیا جاسکتا کہ مستقبل قریب میں اس کا خاتمہ ہوسکے گا بلکہ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ یہ جنگ ان کے درمیان کبھی ختم نہ ہوسکے گی، لیکن پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے اس انتہائی خطرناک اور سالہا سال پرانی جنگ کو اس انداز سے ختم کرنے کی کوشش کی کہ اس کا ہمیشہ کے لیے خاتمہ ہوگیا، اس جنگ کے خاتمہ کے ساتھ بے شمار ہلاک ہونے والی جانیں محفوظ ہوگئیں، اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عرب کے جنگجوؤں کی اس انداز میں تربیت کی کہ وہی عرب کے انتہائی خوں خوار جنگجو جو ذرا ذرا سی بات پر تلوار میان سے باہر نکال لیا کرتے تھے، امن کے علمبردار ہوگئے، اور پھر کبھی ان کی تلواروں نے کسی کا ناحق خون نہ بہایا، بلکہ وہ کسی پر بھی تشدد سے گھبرانے لگے، کیونکہ انہیں ہمیشہ اس بات کی فکر دامن گیر رہتی کہ اگر ان سے کسی پر ظلم ہوا تو اللہ رب العزت کے یہاں کہیں ان کا دامن نہ پکڑ لیا جائے، یعنی پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے قلوب میں خوفِ خدا پیدا فرمادیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زندگی کے ہر موڑ پر لوگوں کے ساتھ عام رحمت کا معاملہ فرمایا، یہاں تک کہ ان لوگوں کے ساتھ بھی آپؐ نے رحم وکرم کا معاملہ کیا جنہوں نے آپؐ کے ساتھ انتہائی درندگی کا مظاہرہ کیا تھا لیکن آپؐ نے ان سے انتقام نہ لیا، جن لوگوں نے آپؐ کے ساتھ بدتمیزی کی اور آپؐ کے پتھر مارے، آپؐ نے ان سے بدلہ نہیں لیا بلکہ ان کے لیے دعائیں کیں، اسی طرح فتح مکہ کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عام معافی کا اعلان کیا حتی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کو بھی معاف کردیا جو العیاذ باللہ آپؐ کو صفحہ ہستی سے مٹانے

کے لیے بیتاب رہتے تھے، وہ اسلام کے ساتھ بھی نہ صرف بغض وعناد رکھتے تھے بلکہ اسلام کے خاتمہ کے لیے پوری کوششیں کرتے تھے، جو لوگ اسلام قبول کر لیتے، ان پر ظلم ڈھاتے تھے، تا کہ وہ لوگ اسلام سے پھر جائیں، اس موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوسفیان کو بھی معاف کر دیا جو تحریک اسلامی کو ختم کرنے کے لیے لشکر لیے پھرتا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حبشی سے بھی انتقام نہ لیا جس نے آپؐ کے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو برچھی مار کر شہید کر دیا تھا، جس کا آپ کو بے انتہا دکھ ہوا تھا، جب آپؐ اپنے پیارے چچا کی لاش کے پاس آئے تھے تو آپؐ کی آنکھوں سے آنسو نکل پڑے تھے، مگر آپؐ نے اس سے بھی انتقام نہیں لیا، اگر آپؐ چاہتے تو آج کے دن ایک ایک سے چن چن کر انتقام لے سکتے تھے، اس لیے کہ مکہ فتح ہو چکا تھا اور باطل طاقتیں سرنگوں ہو گئی تھیں، کیا رحم و کرم کی ایسی مثالیں موجودہ دور میں مل سکتی ہیں۔

آج تو صورت حال یہ ہے کہ وہ ممالک واقوام جو خود کو امن کی سب سے بڑی علمبردار کہتی ہیں وہ بھی تشدد سے کام لیتی ہیں، مثلاً جب امریکہ نے افغانستان کو تاراج کیا تو اس نے وہاں خوب تباہی پھیلائی، نہ صرف ان لوگوں کو قتل کیا جو امریکہ کے خلاف برسر پیکار تھے بلکہ عام لوگوں کو بھی قتل کرنے سے گریز نہ کیا، غور کیجیے کہ گزشتہ دس پندرہ سال کے عرصے میں امریکہ نے افغانستان وعراق سمیت دنیا کے مختلف ملکوں میں دہشت گردی کے خاتمے کے نام پر جو بدترین دہشت گردی مچائی ہے، اس کا کیا جواز تھا اور اس کی کیا توجیہ کی جا سکتی ہے؟ ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تو جب مکہ فتح کیا تو کسی سے کوئی انتقام ہی نہ لیا، سب کو معاف کر دیا تھا، جس کا یہ نتیجہ ظاہر ہوا کہ نہ صرف مکہ و مدینہ میں بلکہ پورے عالم عرب میں امن وامان کی ہوائیں چلنے لگیں، اس کے بعد جہاں جہاں بھی اسلام گیا وہاں سے بدامنی کا خاتمہ ہو گیا۔

عالمی امن قائم کرنے کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودیوں وعیسائیوں کو بھی بھائی چارے کی دعوت دی، چنانچہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی جانب خطوط روانہ کرتے تو یہ ارشاد فرماتے کہ ''اے اہل کتاب آؤ ایک ایسی بات کی طرف جو ہمارے اور تمہارے درمیان

یکساں ہے کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی بندگی نہ کریں، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں اور ہم میں سے کوئی اللہ کے علاوہ کسی کو رب نہ بنائے'' (آل عمران) عیسائیوں کے ساتھ آپؐ کی رحم دلی کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ ایک مرتبہ آپؐ نے لکھا'' جو قلیل و کثیر (منقولہ و غیر منقولہ) ان کے گرجاؤں کے تحت ہیں وہ سب انہیں کی رہیں گی، کسی پادری کو اس کے منصب سے ہٹایا جائے گا نہ کسی کاہن کو اس کی کہانت سے اور نہ ان کے حقوق میں تغیر کیا جائے گا'' آپ کی اہل اسلام و غیر اہل اسلام سے متعلق بہت سی ہدایات و تعلیمات آپؐ کے عالمی امن و بھائی چارے کے جذبہ کی عکاس ہیں۔

اس وقت دنیا کی جو صورت حال ہے اس کا تقاضا ہے کہ عالمی سطح پر قیامِ امن کے لیے سیرت پاک سے رہنمائی حاصل کی جائے اور آپ کے اقوال و اعمال کی روشنی میں دنیا کو امن و سلامتی کا گہوارہ بنانے کے لیے سنجیدہ کوششیں کی جائیں، اس کے لیے پہلے تو خود مسلمانوں کو سامنے آنا ہوگا، اس وقت علمی انداز میں معروضی و منطقی طرز پر سیرت پاک کی عصری معنویت و افادیت پر لٹریچر تیار کرنے کی بھی شدید ضرورت ہے، تا کہ دوسرے مذاہب کے دانشوران و مفکرین اس سے فائدہ اٹھائیں اور انہیں پتا چلے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت اور زندگی میں کس قدر جامعیت اور آفاقیت پائی جاتی ہے، ساتھ ہی عملی طور پر نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایات و تعلیمات کو مسلم معاشرے اور ان ممالک میں نافذ کرنے کی ہر ممکن کوشش کی جانی چاہئے جہاں حکومت و قیادت خود مسلمانوں کے ہاتھ میں ہے، ظاہر ہے کہ اگر ہم دوسری قوموں کو سیرت سے رہنمائی حاصل کرنے کی دعوت دیں گے تو ان کا پہلا جواب یہی ہوگا کہ خود مسلمان اپنے نبی کی سیرت سے کتنا مستفید ہو رہے ہیں؟ لہذا اس وقت عالمی سطح پر اجتماعی و سماجی امن و سکون اور ہمہ گیر سلامتی کے حصول کے لیے پوری انسانی دنیا کو سیرت نبوی کے مختلف پہلوؤں پر غور کرنے، ان کا مطالعہ کرنے اور آپؐ کی تعلیمات کو عملی سطح پر نافذ کرنے کے لئے پہلے خود مسلمانوں کو محنت کرنی ہوگی۔

تین طلاق کی حالیہ وکالت

اور حجیتِ حدیث کا مسئلہ

مولانا مفتی عبدالعلیم عیسیٰ وصی اللّٰہی
خطیب جامع مسجد فیروز آباد

جس تاریخ سے تین طلاق سے متعلق سپریم کورٹ کا ۳۹۵ صفحات پر مشتمل فیصلہ اخبارات میں آیا ہے اور اس فیصلہ پر مختلف حضرات نے اپنے اپنے انداز سے تنقید وتبصرہ کیا ہے، اس سلسلہ میں بندہ کے ذہن میں بھی کچھ باتیں آئی ہیں جن کو ناظرین کی خدمت میں پیش کرنا چاہتا ہے، اس سے پہلے کہ میں اپنے خیالات کا اظہار کروں؛ مسلم پرسنل لاء بورڈ کے ذمہ داروں اور بزرگوں سے معذرت خواہ ہوں کہ میری تلخ نوائی کو معاف فرمائیں، اور ٹھنڈے دِل سے میری گزارشات پر توجہ فرمائیں۔

(۱) طلاق ایک شرعی چیز ہے، جس طرح نکاح شریعت کا جزء ہے، شریعت میں اس کا حکم دیا گیا ہے، قرآن اور حدیث میں خدا اور رسول کی زبانی یہ حکم ہمیں ملا ہے، اور اس کی انجام دہی کے لیے دِین دار اور عالم دین کی ضرورت پڑتی ہے، اسی طرح طلاق کے معاملات کو اور اس کے مسائل کو حل کرنے کے لیے بھی دینی اور مذہبی شخصیت ہونی چاہئے۔

اِس پر پڑنے والے اعتراضات کا جواب صحیح طور پر وہی شخص دے سکتا ہے جس کی نظر: کتبِ فقہ میں سے ہدایہ، کنز الدقائق، فتح القدیر، البحر الرائق، بدائع الصنائع، عنایہ اور بنایہ وغیرہ پر، اور کتبِ حدیث میں سے بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی اور اُن کی معتبر شروح پر، اور تفاسیر میں تفسیر مظہری، روح المعانی وغیرہ کتبِ تفسیر پر ہو، پھر حجیتِ حدیث کے پہلو سے تدوینِ حدیث کی تاریخ، حدیث پاک کی استنادی حیثیت اور اُس کے تشریعی مقام

ومرتبہ سے بھی پوری طرح واقف ہو، اِس پہلو سے کیے جانے والے اعتراضات کو جانتا ہو، اوراُن کے مؤثر اور وزنی جواب دینے کی صلاحیت رکھتا ہو، اوران سب کے ساتھ ساتھ، اُس کی اپنے مستند اَسلاف واکابر کی کتابوں پر بھی نظر ہو۔

کورٹ میں دو تین اعتراضات ایسے اٹھائے گئے جس کا جواب ہمارے وکلاء نہیں دے سکے، اگران اعتراضات کے صحیح جوابات دیئے جاتے تو فیصلہ دوسری طرح کا ہوتا، دینی مسائل میں وہی شخص وکالت کرنے کا اہل ہے جس نے بقول اکبر الہ آبادی مرحوم ''دین کو شیخ کے گھر میں رہ کر سیکھا ہو'' ۔

انھوں نے دین کب سیکھا ہے رہ کر شیخ کے گھر میں؟
پلے کالج کے چکر میں، مرے صاحب کے دفتر میں

(۲) تین طلاق کے سلسلہ میں ایک اہم بات یہ ہے کہ یہ فیصلہ پانچ ججوں کا متفقہ فیصلہ نہیں ہے، دو ججوں کی رائے ایک ہے، تین ججوں کی رائے الگ ہے، دوسری اُس سے زیادہ اہم بات یہ ہے کہ کورٹ میں یہ کہا گیا ہے کہ دو طلاق کا ذکر تو قرآن میں ہے، تیسری طلاق کا ذکر قرآن میں نہیں ہے، اور مذہبی چیز نہیں ہے، رواجی چیز ہے، حالانکہ تیسری طلاق کا ذکر بھی قرآن میں موجود ہے، بلکہ جہاں پر دوسری طلاق کا ذکر ہے وہیں پر ہی تیسری طلاق کا ذکر بھی موجود ہے، مگر ہمارے وکلاء کو اتنی بھی واقفیت نہیں ہے، تو وہ صحیح وکالت کرنے کے کیسے حقدار ہو سکتے ہیں؟

(۳) فیصلے میں جہاں تک میرے علم میں ہے کہ بورڈ کے وکیلوں نے یہ بات مانی اورتسلیم کی ہے کہ تین طلاق کی اس جدید دور میں کوئی گنجائش نہیں، وکلاء کا یہ کہنا سراسر قرآن کے اور اِسلام کی روح کے خلاف ہے۔ قرآن پاک میں تیسرے پارہ میں صاف طور سے فرمایا گیا ہے: {إن الدين عندالله الإسلام} اوراسی پارے میں یہ بھی فرمایا گیا: {وَمَنْ يَبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ}۔

قرآن پاک کے اِن ارشادات کو سامنے رکھتے ہوئے یہ کہنا (یا سمجھنا) کہ (نعوذ باللہ)

اِس جدید دور میں ''تین طلاق'' (کیا کسی اور اِسلامی حکم) کی کوئی گنجائش نہیں؛ یہ کہنا دین کی وکالت نہیں، بلکہ دین سے جہالت، اور دین کی مخالفت ہے۔

(۴) فیصلے میں ص ۱۹۲: میں یہ لکھا گیا ہے کہ ''احادیث قرآن کی طرح قابل اعتبار نہیں''، کیونکہ ان کی تدوین بہت بعد میں ہوئی ہے۔

یہ جملہ بھی ظاہر کرتا ہے کہ ہمارے اِس مضبوط مقدمے کی کمزور پیروی کرنے والے حضرات احادیث کے مقام ومرتبہ سے صحیح طور پر واقف نہیں ہیں، ورنہ اس کا بھی دندان شکن جواب ہمارے اکابر کے ہاں موجود ہے، مگر یہ معلومات اسی شخص کو ہوں گی جو ''شیخ'' کی صحبت میں رہا ہو، اور شیخ سے کچھ سیکھا ہو۔

مندرجہ بالا جملہ کہ ''احادیث قرآن کی طرح قابل اعتبار نہیں ہیں''... بظاہر ایک جملہ ہے، مگر غور سے اگر دیکھا جائے تو اِس ایک جملہ میں دو دعوے کیے گئے ہیں: ایک دعویٰ یہ کہ قرآن پاک قابل اعتبار ہے، دوسرا دعویٰ یہ کہ احادیث نا قابل اعتبار ہیں، حالاں کہ جو لوگ قرآن وحدیث کے درمیان اِس تفریق کے قائل ہیں اگر ان سے اس کی دلیل مانگی جائے تو وہ اس کی دلیل شاید نہ پیش کرسکیں، کیونکہ ان کی نظر میں حدیث تو غیر معتبر ہے، اور قرآن کا قرآن ہونا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خبر دینے اور آپ کی حدیث ہی سے ثابت ہوتا ہے، تو جب (**نعوذ باللہ**) حدیث نا معتبر ہے، تو پھر قرآن بھی نا معتبر ٹھہرا، حالانکہ تمام اہلِ حق مسلمانوں کے نزدیک جس طرح قرآن معتبر ہے، اسی طرح حدیث بھی معتبر ہے۔

ماضی قریب میں حضرت حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت وہ شخصیت ہے جس کے بارے میں بڑوں کی شہادت ہے کہ اِسلام اور تعلیماتِ اِسلام سے متعلق: شرعی، اخلاقی، تصوفی، فقہی، کلامی، تفسیری، معاشرتی، تمدنی، تہذیبی، سیاسی اور اِجتماعی دائروں میں پیدا شدہ اُلجھنوں کو دور کرنے والی کسی ہمہ جہت وہمہ گیر، علمی اور اصلاحی شخصیت کی اُمت کو ضرورت ہوتی، تو اہلِ حق کی ترجمانی کے لیے متفقہ طور پر سب کی نگاہیں

حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحب علیہ الرحمہ ہی کی شخصیت کی طرف اُٹھتیں۔

چنانچہ زیر بحث مسئلہ میں کہ ''احادیث قرآن کی طرح قابل اعتبار نہیں ہے'' حضرت حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے دو وعظوں میں اس پر روشنی ڈالی ہے، اور یہ ثابت فرمایا ہے کہ قرآن بھی معتبر ہے، اور حدیث بھی معتبر ہے۔

''خطبات حکیم الاسلام'' (جلد اول) میں ''معارف القرآن'' کے نام سے ایک وعظ ہے، اس میں ص ۲۴: تا۲۶ میں اِس موضوع سے متعلق گفتگو کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں اِرشاد فرمایا ہے: {لَا تُحَرِّکْ بِهٖ لِسَانَکَ لِتَعْجَلَ بِهٖ، اِنَّ عَلَیْنَا جَمْعَهٗ وَ قُرْآنَه} (بھولنے کے خطرہ کے پیش نظر جلد جلد زبان کو حرکت نہ دیجئے، اس کے الفاظ آپ کے قلب میں جمانے اور زبان سے ادائیگی کا ہم ذمہ لیتے ہیں)،...اس بیان کو جاری رکھتے ہوئے آگے فرماتے ہیں :...تو یہاں قُرْآنَهٗ فرما کر الفاظ پڑھانے اور زبان پر جاری کرانے کی ذمہ داری لی گئی، معانی سے متعلق یہاں کچھ نہیں فرمایا گیا...، معانی کی ذمہ داری {ثُمَّ اِنَّ عَلَیْنَا بَیَانَهٗ} میں لی گئی ہے۔ یعنی الفاظ کے معنی کھول کھول کر بیان کرنا بھی ہمارے ذمہ ہے، پہلی آیت میں قُرْآنَه فرما کر الفاظ کی ادائیگی اور قرأت کی ذمہ داری لی، اور اس آیت میں بَیَانَہٗ کے ذریعے معانی بیان کرنے اور سمجھانے کی ذمہ داری لی۔

خلاصۃً یہ کہا جا سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کے دونوں اجزاء: الفاظ و معانی کی ذمہ داری لی ہے، یعنی قرآن پڑھوانا بھی ہمارے ذمہ ہے، اور اس کے معنی و مفہوم کو جو قرآن کے موضوعات ہیں؛ ان کو سمجھانا بھی ہماری ذمہ داری ہے، اور یہ سمجھانا اور ''بیان'' کرنا ہی دراصل ''حدیث'' کہلاتا ہے، اور حدیث ہی کے ذریعہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآنی مقاصد کو واضح فرمایا ہے۔

اِس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حدیث بھی قرآن کی طرح قیامت تک باقی رہنے والی چیز ہے،... کیونکہ قرآن کے ساتھ بیانِ قرآن باقی نہ رہے تو لوگ کچھ کا کچھ مطلب لیں گے،... قرآن کی اولین تفسیر: حدیثِ نبوی ہے، قرآن مجید میں اس کو ایک اور جگہ بھی ''بیان'' سے تعبیر

کیا گیا ہے، اِرشاد فرمایا گیا : {و أنزلنا إلیک الذکر لتبین للناس ما نزل إلیهم} (اور ہم نے آپ کی طرف ذِکر اتارا، تاکہ آپ اُس کو لوگوں کے سامنے "بیان" کردیں جو اُن کی طرف اتارا گیا ہے)، ... تُبیّن للناس سے معلوم ہوا کہ حدیث بیانِ قرآن ہے، اللہ تعالیٰ نے ایک متن اُتارا جس کا نام قرآن مجید ہے، اور اس متن کی ایک شرح اتاری جس کا نام حدیث ہے۔ (ملخصاً از : وعظ حکیم الاسلام، مسمی بہ "معارف القرآن")۔

نیز حضرت حکیم الاسلام رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ایک دوسرے وعظ (خطبات حکیم الاسلام ۱/۱۷۷ تا ۱۷۹، مسمی بہ "معجزۂ علمی") میں حدیث کی معتبریت پر ایک دوسرے انداز سے روشنی ڈالی ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ: حضرتؒ ٹرین سے کسی سفر میں جارہے تھے، ڈبہ میں کوئی صاحب منکرحدیث بیٹھے ہوئے تھے، انھوں نے احادیث پر کچھ اعتراضات کرنے شروع کیے اور کہا کہ حدیث قابل اعتبار نہیں، حدیث تو صرف ایک تاریخ کا درجہ رکھتی ہے، اس کے جواب میں حضرتؒ نے فرمایا: آپ کسی چیز کو مانتے بھی ہیں؟ کہنے لگے: قرآن۔ حضرتؒ نے فرمایا: قرآن کا قرآن ہونا آپ کو کیسے معلوم ہوا؟ کیا آپ پر وحی آئی تھی کہ یہ قرآن ہے؟ کیسے پتہ چلا کہ یہ قرآن ہے؟ کہنے لگے: اللہ کے رسول کے اِرشاد سے، حضرتؒ نے فرمایا کہ وہ اِرشاد ہی تو "حدیث" ہے!!

تو قرآن کا قرآن ہونا بھی حدیث پر موقوف ہے، حدیث کا آپ انکار کردیں گے تو قرآن کے قرآن ہونے کی کیا دلیل ہوگی؟ کیسے آپ اِنکار کرتے ہیں حدیث کا؟ تو وہ لاجواب ہوکر کہنے لگے کہ دل سے تو حدیث کا اِنکار واقعی مشکل ہے، پھر کہنے لگے کہ کچھ حدیثیں ایسی بھی ہیں جو قابلِ اعتبار نہیں؟ حضرتؒ نے فرمایا کہ چلئے مطلق "حدیث" کے ثبوت اور حجیت کو تو آپ نے مان لیا، پھر آپ مصر ہیں کہ حدیث کی قسمیں بھی ہیں، تو اس کی صراحت تو خود محدثین نے بھی کی ہے کہ ہر حدیث کا ایک درجہ نہیں ہے...، پھر اِسی سلسلے کی مزید گفتگو ہوتی رہی، جس میں حضرتؒ نے اُن کو جو مضمون سمجھایا اُس کا ماحصل (کچھ اِضافوں کے ساتھ اپنے الفاظ میں یہ ہے) کہ:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کا ثبوت تین طرح سے ہے: تواتر سے، شہرت سے، اور اکّا دُکّا سندوں سے۔

۱— تو جو حدیث متواتر ہے اور تواتر سے ثابت ہے وہ مورِث یقین ہے، اُس کا انکار ایسا ہی ہے جیسے قرآن کا اِنکار، کیوں کہ خود قرآن بھی تواتر ہی کے طور پر ثابت ہے، قرآن کی ایک آیت کا، ایک حکم کا آدمی انکار کردے، تو اسلام سے خارج ہوجاتا ہے، اسی طرح حدیثِ متواتر کے اِنکار سے بھی دائرۂ اسلام سے خارج ہوجائے گا۔

۲— دوسرے درجہ کی حدیث، حدیث مشہور ہے، اُس کا درجہ بھی متواتر کے قریب ہے۔ دونوں کے درمیان اصطلاحی طور پر صرف اتنا فرق ہے کہ:

''متواتر'' تو اُس کو کہتے ہیں جو صحابہ کے زمانے ہی سے معروف ومشہور ہوکر، ہر طرف پھیل گئی ہو، ہر خاص وعام اُس کو جانتا ہو، جیسے توحید، رسالت، آخرت، معجزات، فرشتے، تقدیر، قبر، حشر، جنت، دوزخ وغیرہ اِسلامی عقائد کا معہود تصور، عباداتِ اِسلام: نماز، روزہ، زکوۃ، حج، قربانی وغیرہ کا مخصوص طریقہ اور ہیئت، اور مسواک، لباسِ شرعی وغیرہ کی سنّیت ومشروعیت۔

جب کہ اِصطلاح میں ''مشہور'' اُس کو کہتے ہیں جو صحابہؓ کے بجائے، تابعین کے زمانے میں شہرت کے اِس مرتبے کو پہنچی ہو، جیسے نکاح، طلاق اور طہارت وغیرہ ابوابِ دین کے وہ جزئیات ومسائل جو صحیح اَحادیث میں تو وارِد ہیں، مگر ہر ایک کو ہمہ وقت اُن سے سابقہ نہیں پڑتا، بلکہ متفرق طور پر ان کی ضرورت پڑتی ہے، تو ایسے مسائل اگرچہ صحابہؓ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے سے بیان فرمادیئے تھے، مگر عملی طور پر اُن کی ضرورت زیادہ نہ پڑنے کی وجہ سے خود صحابہؓ کے زمانے میں وہ اُس درجۂ شہرت کو نہ پہنچ سکے، جس درجہ شہرت: متواتر کو حاصل ہوتی ہے، پھر جیسے جیسے معاشرے کو ان کی ضرورت پڑتی گئی اُن کو شہرت اور تواتر حاصل ہوتا گیا۔

اِسی لیے حدیثِ مشہور کا منکر بھی بعض علماء کے نزدیک کافر ہی ہے، جب کہ دوسرے بعض حضرات کے ہاں فاسق، بدعتی اور گمراہ ہے۔

۳–تیسرا درجہ ’’خبر واحد‘‘ (دو چار سندوں سے مروی روایت) کا ہے، وہ اگر مستند ذریعے سے، بے غبار طور پر ثابت ہے تو ’’ظن غالب‘‘ (بمنزلۂ جزم ویقین) پیدا کرتی ہے، اور اگر درمیانی واسطوں میں، یا الفاظ وتعبیرات کی بندش میں کوئی شک وشبہ پیدا ہوجائے تو اگرچہ ظنِ غالب نہیں؛ مطلق ظن تو بہرحال پیدا کرتی ہے، اور اِس ظن کے بھی قابلِ اعتبار ہونے اور لائقِ عمل ہونے سے اِنکار نہیں کیا جاسکتا۔

دین ودنیا کے اکثر اَحکام اِسی ظن وگمان پر مبنی ہیں، کہ آدمی عام لوگوں کی خبروں ہی پر اعتماد کرتا ہے، دنیا کا تو سارا نظام اور کاروبار ایسی ہی ’’خبر واحد‘‘ پر چل رہا ہے، حتی کہ جن لوگوں کو آپ نے کبھی دیکھا بھی نہیں، پہلے کبھی ان کی آواز بھی نہیں سنی، اُن کے ذاتی اَحوال (اور پرسنل لائف) سے بھی آپ واقف نہیں، آپ ان کے ایک فون پر اعتماد کرکے، بڑے بڑے اقدامات کرلیتے ہیں، وہاں صرف یہ دیکھتے ہیں کہ اس کی یہ اطلاع عام اُصول اور قانون کے خلاف تو نہیں، اور ہمارا اِس میں کوئی نقصان اور ضرر تو نہیں۔

اِس سے بڑھ کر اگر وہ کوئی مستند اور متعارف سرکاری عہدیدار ہوا تو پھر اس کی اطلاعات پر یقین کرنے کے لیے ان پہلوؤں پر غور کرنے کی بھی ضرورت نہیں سمجھتے، حتی کہ وہ اگر آپ کے خلاف وارنٹ اور نوٹس بھی لے کر آتا ہے تو اس کو بھی قبول کرتے ہیں؛ اِلا یہ کہ واضح طور پر غیر قانونی ہو۔

معلوم ہوا کہ اسی ’’خبر واحد‘‘ اور اِس سے حاصل ہونے والے ظن اور گمان پر ہی دنیا کا سارا نظام چل رہا ہے، تو اِسی طرح شریعت کے بھی بہت سے اَحکام کا مدار ظن پر ہوتا ہے، البتہ یہ ’’شریعتِ اسلامیہ‘‘ کی اِنفرادیت اور اِنسانی تاریخ میں اُس کا امتیاز ہے کہ اُس میں کسی بھی ’’خبر واحد‘‘ کو قبول کرنے، نہ کرنے کے سلسلے میں قاعدے اور ضابطے متعین کیے گئے ہیں، اُصولِ شریعت پر پرکھنے اور راوِیوں کی جانچ پڑتال کرنے کا نظام بنایا گیا ہے، پھر اسی روشنی میں ان خبروں کو صحیح، حسن، ضعیف وغیرہ کی قسموں میں تقسیم کیا گیا ہے۔

اوراحادیث کےثبوت کےدرجات کا یہی وہ فرق ہےجس پراُن پرمرتب ہونے والے اَحکام کے درجات کا بھی فرق متفرع ہوتا ہے، ورنہ اگرعمومی تناظر میں دیکھا جاتا تو کسی بھی حکمِ رسول سے سرتابی کرنے والا کافراورجہنمی ہوتا، اِس لیے کہ خودقرآن پاک میں ''اِطاعتِ رسول'' کوفرض قرار دیا گیاہے،اورآپ کی اطاعت سے ہی اللہ کی اطاعت کوبھی مربوط فرمایا گیاہے، بلکہ اللہ سے محبت کا وہی دعوی قابلِ قبول قرار دیا گیاہے جو''اتباعِ رسول''(صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ ہو۔

معلوم ہوا کہ دین ودنیا کے بہت سے اَحکام کا مدارظن ہی پر ہوتا ہے،تو حدیث اگر ظن ہی پیدا کردے وہ بھی حجت کی شان رکھتی ہے،آپ کا گمان جب فعل کے جائز ہونے پر حجت بن جاتا ہےتو حدیث اگرظن ہی پیدا کرےتو وہ کیوں حجت نہیں بنے گی؟

خلاصۂ بحث یہ ہے کہ اِس وقت ''طلاقِ ثلاثہ'' سےمتعلق سپریم کورٹ کا جوفیصلہ آیا ہےاُس میں مسلم پرسنل لاء بورڈ کی طرف سے جووکالت کی گئی تھی، وہ جمہوراہل السنۃ والجماعۃ کے مسلک کی روشنی میں انتہائی کمزور بنیادوں پرتھی، اِس لیےضروری ہے کہ مسلمانوں کا یہ مؤقر اِدارہ اِس واقعہ سےسبق لےکر،آئندہ کے لیےمضبوط لائحۂ عمل طے کرے، اور اِس کے لیے بطورخاص ہندوستانی مسلمانوں کے دونوں علمی مراکز: دارالعلوم دیوبند، اور مظاہر علوم سہارنپور سے بھی علمی اورفقہی تعاون میں اشتراک پیدا کرے، تاکہ اِس طرح کی کمزوریاں پھرسامنے نہ آئیں۔

وماعلینا إلا البلاغ المبین، وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمد وآلہ وأصحابہ أجمعین، وآخر دعوانا أن الحمدللہ رب العالمین۔

ترتیب وپیش کش: برادرزادہ محمد معاویہ سعدی، استاذ تخصص فی الحدیث جامعہ مظاہر علوم سہارنپور

اہل باطل کی تردید کی اہمیت وضرورت

ارشادات رسول کی روشنی میں

مولانا محمد راشد گورکھپوری استاذ شعبۂ تحفظ ختم نبوت مظاہر علوم سہارنپور

ایمان کی قدر وقیمت: ایک مسلمان کا سب سے قیمتی سرمایہ ایمان ہے، اس سے بڑھ کر دنیا کی کوئی طاقت، کوئی دولت، راحت اور سلطنت نہیں ہوسکتی، اس کی حفاظت ہی پر آخرت کی سدابہار جنت اور غیر فانی نعمتوں کا اعزاز بخشا گیا ہے، اس لئے ایک سچا مسلمان اپنی جان ومال عزت وآبرو سب کچھ داؤ پر لگا سکتا ہے لیکن کسی قیمت پر وہ ایمان کا سودا نہیں کرسکتا۔

دشمنان اسلام کی ریشہ دوانیاں: اسلام دشمن قوتیں ایمان کی قدر وقیمت جاننے اور اس کے تئیں مسلمانوں کی بیداری معلوم کرنے کے بعد وہ انہیں کھلم کھلا دعوتِ کفر نہیں دیتیں البتہ اپنے زرخرید غلاموں کے ذریعہ یا خودکاشتہ پودوں اور تحریکوں کے ذریعہ مسلمانوں کو فکری کج روی اور اعتقادی انحراف میں مبتلا کرنے کی ضرور کوشش کرتی ہیں، مسلمانوں کو اس فکری بے اعتدالی اور ارتدادی والحادی دلدل میں پھانسنے کے لئے ملک کے طول وعرض میں وہ پیہم کوشاں ہیں، چنانچہ کہیں روشن خیالی کے لبادے میں الحادو دہریت کا ایمان سوز فتنہ ہے تو کہیں اہلِ قرآن کے حسین پردہ میں انکار حدیث وپرویزیت کا زہر ہے، کہیں دجل وتلبیس کے پرفریب جال ہیں تو کہیں قادیانیت وشکیلیت کے مذہبی سٹے بازوں کے حملے۔

فتنوں کے ظہور کی خبر: اس دور پرفتن میں دینی تصلب نہ رکھنے والے بیشتر سادہ لوح اور کچے مسلمان ایسے ہیں جن کی صبحیں دینی اعتبار سے الگ کیفیت میں گذرتی ہیں اور شام ڈھلتے ڈھلتے وہ دوسری بد دینی کی کیفیت سے دوچار ہوجاتے ہیں، امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے ہی دور کے بارے میں آگاہی دیتے ہوئے فرمایا:

''بادروا بالاعمال فتنا کقطع اللیل المظلم یصبح الرجل مؤمناً ویمسی کافرا أو یمسی مؤمناً ویصبح کافراً یبیع دینه بعرض من الدنیا'' (مسلم شریف ۷۵/۱)

کہ ان تاریک فتنوں کی آمد سے پہلے پہلے نیک اعمال کرلو جو اندھیری رات کی تہہ بتہ تاریکیوں کے مثل ہونگے آدمی صبح کو مومن ہوگا اور شام کو کافر، یا شام کو مومن ہوگا اور صبح کو کافر، دنیا کے چند ٹکوں کے بدلے اپنا دین بیچتا پھرے گا۔

اس حدیث میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے واضح کردیا کہ کچھ ایسے بدقسمت ہونگے جو حقیر دنیا کے عوض اپنے قیمتی دین کا سودا کریں گے، ظاہر ہے کہ ایسے محروم القسمت لوگ دنیا کی رونق اور رنگینی پر فریفتہ ہوکر دیدہ ودانستہ دین کا قلادہ اپنی گردن سے نکال پھینکیں گے، لیکن جو سادہ لوح مسلمان ایسے چرب زبانوں کی چرب زبانی، اوران کی دجل وتلبیس سے پُر باتوں سے متأثر ہوکر اپنے ایمان کی متاعِ گرانمایہ کھودینے کے کگار پر ہونگے، ان کے ایمان کے تحفظ کی فکر کرنا یہ اہل علم کی ذمہ داری ہے۔

دینی امور میں زبان درازی: خطرے کی گھنٹی: سادہ لوح مسلمان کبھی تو پروپیگنڈہ سے متأثر ہوکر تذبذب کا شکار ہوجاتا ہے، اور کبھی اپنی نادانی اور دینی امور میں بےجا زبان درازی کی وجہ سے ضلالت کے غار میں گرجاتا ہے، چنانچہ درج ذیل مثالوں سے مسلمانوں کی تشویشناک صورتحال کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے، کہ کس طرح ایک ناواقف مسلمان موجبات کفر کو نہ جاننے کی وجہ سے بیک جنبشِ لب کفریہ عمل کا ارتکاب کرلیتا ہے: (۱) ایک شخص نے کسی ملنے والے سے دریافت کیا: جناب آپ کہاں رہتے ہیں؟ دوسرے نے جواب دیا : میں فلاں جگہ کرناٹک میں رہتا ہوں، پوچھنے والے نے سن کر کہا ''اچھا اتنی دور خدا کے پچھواڑے!'' اس مثال میں آپ غور فرمائیں کہ کہنے والے نے ہنسی مذاق میں ایک جملہ بول دیا مگر اسے نہیں معلوم کہ اس کی نادانی سے ''کلمۂ کفر'' صادر ہوگیا۔

(۲) ایک دوسرے صاحب نے کسی سے کہا کہ بھائی فلاں کام شریعت کے مطابق ہے، دوسرے شخص نے جواب دیا کہ اپنی شریعت کو پَرے رکھ!۔

(۳) ایک فیکٹری کے منیجر نے کسی آدمی کو بلایا وہ دیکھنے میں اچھا خاصا سمجھدار آدمی معلوم ہورہا تھا اس کی چھوٹی چھوٹی داڑھی بھی تھی، منیجر نے اس سے پوچھا بھائی کیا حال ہے؟ وہ کہنے لگا منیجر صاحب کیا سناؤں؟ پہلے تو پانچ منٹ میں دعا سنتا تھا، اب معلوم نہیں کہاں چلا گیا ہے سنتا ہی نہیں، میں نے بھی نماز پڑھنی چھوڑ دی ہے۔

قادیانیت، شکیلیت جیسے فتنوں کی بیخ کنی کی ہدایت: یہ وہ جملے ہیں جو مسلم معاشرہ کے بعض افراد غفلت میں بول جاتے ہیں، اگر ان کلمات کو ظاہر پر رکھا جائے، اور کسی قسم کی تاویل نہ سنی جائے، تو ظاہر ہے کہ ان کلمات کا قائل دائرۂ اسلام سے باہر ہوگیا، اور جب ایمان سلامت نہیں رہا تو اب بیوی بھی حقیقت میں بیوی نہیں رہی، بلکہ وہ نکاح سے نکل گئی کیونکہ کفر کے بعد زندگی کے تمام مرحلوں میں کفر کے احکام مرتب ہوں گے، اور یہ سب کچھ نتیجہ ہے نادانی اور اللہ کے معاملہ میں بے جا زبان درازی کا، اللہ اپنی حفاظت میں رکھے، غالباً اسی لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث میں فرمایا: ''**من صمت نجا**'' کہ جو چپ رہا وہ نجات پاگیا، فقہاء کرام نے اس قسم کے بہت سے کلماتِ کفر، کتابوں میں درج کئے ہیں، ان سے بچنا اور بچانا نیز قادیانیت، شکیلیت، پرویزیت، جیسی ارتدادی تحریکات سے امت کو آگاہ کرنا اہل علم کی ذمہ داری ہے، سرورکائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ذمہ داری کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

''یحمل ھذا العلم من کل خلف عدو لہ ینفون عنہ تحریف الغالین و انتحال المبطلین و تاویل الجاھلین'' (الجامع الاخلاق الراوی ص ۱۲۸، ج ۱)

کہ ہر پچھلوں سے ان کے دیندار لوگ اس علم کو لیں گے جو اہل غلو کی تحریفات، اہل باطل کی تلبیسات اور اہل جہل کی تاویلات سے دین کو بچائیں گے۔

معلوم ہوا کہ اہل باطل کی تحریفات ان کی تلبیسات اور بے جا تاویلات کی تردید علماء کی شرعی ذمہ داری ہے، ایک دوسری حدیث میں اس شرعی ذمہ داری کو پورا نہ کرنے پر یوں وعید سنائی گئی ہے: ''**اذا ظھرت الفتن او قال البدع و سب اصحابی فلیظھر**

العالم علمه فمن لم یفعل ذلک فعلیه لعنة الله و الملائکة و الناس اجمعین لا یقبل الله عنه صرفاً و لا عدلاً'' (الجامع الاخلاق الراوی ۱/ ۱۱۸)

کہ جب فتنے ظاہر ہوں یا فرمایا جب بدعتیں رائج ہوں اور میرے صحابہ کو گالیاں دی جائیں تو عالم کو چاہئے کہ وہ اپنے علم کی روشنی میں فتنوں کی سرکوبی کرے، پس جو شخص ایسا نہ کرے تو اس پر اللہ کی، فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی لعنت ہے، اللہ اس شخص کی نفلی عبادت قبول کرے گا نہ فرض۔

فتنوں سے بے حسی کی مذمت: اس حدیث نے واضح کردیا کہ اپنی استطاعت کے بقدر فتنوں کی سرکوبی نہ کرنا اور ان کی ریشہ دوانیوں کو دیکھ کر خاموش رہنا، یہ اتنا بڑا جرم ہے کہ اس کے مرتکب کے نہ فرائض مقبول ہوں گے نہ نوافل، لیکن نام نہاد روشن خیالوں کے اس دور میں جہاں دین بےزاروں کی نظر میں مسلمات اسلامیہ مشکوک نظر آرہے ہیں وہیں کم فہم لوگوں کی نظر میں تعلیمات اسلامیہ کیخلاف اٹھنے والے فتنوں کی سرکوبی اور دین حق کی ترجمانی غیر محمود کوشش دکھائی دے رہی ہے، یہ احمقانہ خیال اگر جہلاء اور نام نہاد دانشوروں کے دماغ کی اپج کہا جائے تو یہ اتنا تعجب خیز نہ تھا لیکن حیرت اس پر ہے کہ نام نہاد روشن خیالوں کے پروپیگنڈے سے متأثر ہو کر بعض پڑھے لکھے اور اہل علم کہے جانے والے لوگ بھی ان کی ہاں میں ہاں ملا کر اپنا شمار شرفاء میں کرا لیتے ہیں اور اس کار خیر سے کنارہ کش رہنے کو شرافت سمجھتے ہیں، ایسے لوگوں کو مذکورہ بالا ارشاداتِ رسول سے سبق حاصل کرنا چاہئے، کہ ان احادیث سے جہاں فتنوں کی بیخ کنی کرنے والوں کی حوصلہ افزائی ہوتی ہے وہیں ان لوگوں کے لئے تازیانہ عبرت بھی ہے جو کام نہ کرنے میں اپنی عافیت اور کام کرنے والوں کو تنقید کا نشانہ بناتے ہیں۔

اہلِ علم احتساب کریں: جہاں جہاں فتنے سر اٹھا رہے ہیں چاہے وہ قادیانیت کی شکل میں ہوں یا شکیلیت کی شکل میں، پرویزیت کی شکل میں ہوں، یا جھوٹی مسیحیت کی شکل میں ہوں، گوہر شاہی کی شکل میں ہوں، یا چن بشویشوریت کی شکل میں، ہر علاقہ کے علماء کو چاہئے کہ وہ ان

احادیث کے آئینہ میں اپنا چہرہ دیکھیں اور محاسبہ کریں کہ کہیں ان فتنوں کے پیچھے ہماری غفلت شامل تو نہیں؟ اگر یہ فتنے ہماری غفلت کے نتیجے میں پرورش پا رہے ہیں، تو خدارا امت کے احوال پر رحم کریں اور قیامت کے دن خدا کے سامنے جواب دہی کا استحضار پیدا کریں، اور اگر ہم اپنی ذمہ داری کا احساس کرتے ہوئے ان فتنوں کے سدّ باب کی کوشش کر رہے ہیں، تو اس بشارتِ نبوی کو سامنے رکھ کر مزید حوصلہ پیدا کریں :

اہلِ فتن سے مقابلہ کرنے پر ثواب: "عن عبدالرحمن بن العلاء الحضرمی قال حدثنی من سمع النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقول: إنہ سیکون فی آخر ھذہ الأمۃ قوم لھم مثل اجر اولھم یأمرون بالمعروف وینھون عن المنکر ویقاتلون اھل الفتن"

(بیہقی فی دلائل النبوۃ ۶ / ۵۱۳)

حضرت عبدالرحمن بن علاء حضرمی فرماتے ہیں کہ ایک صحابی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہوا آپ کا یہ ارشاد مجھ سے بیان کیا: اس امت محمدیہ کے آخیر زمانہ میں ایک جماعت ایسی پیدا ہوگی جس کا ثواب اس امت کے ابتدائی دور کے لوگوں (یعنی صحابہ کرام) کے ثواب کے مانند ہوگا اس جماعت کے لوگ اچھی باتوں کا حکم کریں گے، اور بری باتوں سے روکیں گے، اور فتنہ پردازوں سے لڑیں گے۔

یہ حدیث مشکوۃ شریف میں "باب ثواب ہذہ الامۃ" کے تحت درج کی گئی ہے، اس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دو بشارتیں دی ہیں۔

(الف) ایک یہ کہ اخیر زمانہ میں ایک جماعت درج ذیل صفات کی حامل ہوگی، (۱) امر بالمعروف کرنے والی ہوگی، (۲) نہی عن المنکر کرنے والی ہوگی (۳) اور ہر طرح اہل فتن کا مقابلہ کرنے والی ہوگی۔

(ب) دوسری بشارت یہ دی ہے کہ ان صفات کے حامل افراد کو وہ اجر وثواب حاصل ہوگا جو قرونِ اولیٰ کے حضرات کو ملا ہے تین صفات میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے بعد "اہل فتن سے" مقابلہ کرنے کا ذکر فرمایا گیا ہے۔

لغوی اعتبار سے فتنہ کے معنی ہیں ''سونے کو پگھلا کر اس کے کھرے کھوٹے ہونے کو معلوم کرنا'' اسی مناسبت سے شرعی اصطلاح میں فتنہ ان آزمائشوں کا نام ہے جن سے ''ایمان کے زرِ خالص'' کو پرکھا جاتا ہے، اگر کوئی شخص اہل باطل کے برپا کردہ فتنوں کی طرف میلان رکھتا ہے تو سمجھا جائے گا کہ اس کا ایمان بیمار اور کمزور ہے، اور اگر اس کو ان فتنوں سے نفرت، بغض وعداوت ہے تو سمجھ لینا چاہئے کہ اس کا ایمان اعلیٰ درجہ کا قوی و مضبوط ہے۔

احادیثِ شریفہ میں فتنوں کی تفصیل بیان کی گئی ہے، اور دینی و اسلامی کتب میں اسلام و کفر کے درمیان واضح لکیر کھینچ دی گئی ہے اور ہدایت وضلالت کو دو اور دو چار کی طرح نمایاں کردیا گیا ہے ضرورت اس بات کی ہے کہ عام لوگوں کو بھی موجباتِ کفر سے روشناس کرایا جائے، تاکہ لوگ کفر وضلالت سے دور رہیں اور ایمان کو بچا کر سعادتِ دارین حاصل کرسکیں، ظاہر ہے کہ یہ علمی اور ایمان وعقیدہ کی پاسبانی کا کام اہل علم ہی کرسکتے ہیں، اور یہ انہی کی ذمہ داری ہے۔

تقویٰ کے درجات

تقویٰ کے تین درجے ہیں (۱) ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ خود کو دائمی عذاب سے بچانے کی فکر کرے، یہ درجہ کفر و شرک سے بچنے سے حاصل ہوتا ہے اور **والزمھم کلمة التقوی** میں تقویٰ سے یہی مراد ہے۔ (۲) دوسرا درجہ یہ ہے کہ خود کو گناہوں سے دور رکھے **ولو ان اھل القری آمنوا و اتقوا** میں یہی تقویٰ مراد ہے۔ (۳) تیسرا درجہ یہ ہے کہ خود کو مشتبہ چیزوں اور غیر اللہ کی طرف میلان سے بھی بچائے یہی حقیقی تقویٰ ہے، اسی کا نام ولایت ہے۔ (**اتقوا اللہ حق تقاتہ**) میں یہی مراد ہے۔ فتح العزیز ۱، ۶۲۔

نشہ اور خودکشی کا بڑھتا رجحان اور خیرِ امت کی خاموشی

ڈاکٹر ایم اجمل فاروقی

جولائی ۲۰۱۷ میں بہ ظاہر دو معمولی واقعات کی رپورٹنگ ہوئی، جو امت مسلمہ کے لئے خصوصاً اور عالمِ انسانیت کے لیے عموماً وجہ تشویش ہے۔

پہلی خبر علی گڈھ مسلم یونیورسٹی میں کسی طالب علم کی پہلی خودکشی سے متعلق ہے، تفصیلات کے مطابق طالب علم انجینئرنگ کی تعلیم حاصل کررہا تھا اور غیر مقیم ہندوستانی تھا، ایک امتحان میں ''بیک'' ہونے کی وجہ سے انتہائی دل برداشتہ تھا، گھر کے دباؤ یا ساتھیوں سے شرمندگی کے احساس سے مغلوب ہوکر خودکشی کا فیصلہ کرلیا مسجد میں جا کر دو رکعت نماز پڑھی اور ہاسٹل ہال کی چھت پر چڑھ کر پٹرول چھڑک کر آگ لگالی، جب تک دوسرے طلباء پہنچتے بدقسمت طالب علم ستر فی صد سے زائد جل چکا تھا، بعد میں دہلی کے اسپتال میں طالب علم کا انتقال ہوگیا۔

دوسری خبر N.D.T.V. پر پیش کیے گئے دستاویزی پروگرام سے ہے، جس کے مطابق دہلی کے مسلم اکثریتی غریب علاقہ سیماپوری میں نشے کے جال میں پھنستی مسلم نئی نسل کے احوال وبستی میں ہورہی نشہ آور ادویہ، شراب کی بڑھتی لعنت کی تصویر کشی کی گئی ہے۔

یہ پروگرام دیکھنے کے لیے بڑے دل گردہ کی ضرورت تھی کس طرح گندگیوں کے ڈھیر، گندی نالیوں اور تعفن زدہ مکانوں میں نوخیز مسلم بچے انجکشن لگارہے ہیں، ماں، باپ، بھائی، بہن، بیویاں، بچے رورو کر تباہی اور بربادی کی داستان بیان کررہے ہیں؛ مگر نشہ کے شکار نوجوان اپنے مستقبل سے بے پرواہ، بے ہوش اپنی دنیا میں مست گندگیوں میں پڑے

ہوئے تھے، کئی خاندانوں میں پسماندگان نے بتایا کہ کس طرح ان کے بیٹے، شوہر نشہ کا شکار ہو گئے اور یہ حال کسی دورافتادہ گاؤں یا شہر کا نہیں، راجدھانی دہلی کے محلہ کا ہے، جہاں ہر بڑی چھوٹی دینی ملی جماعت کا مرکز یا آفس ہے، بڑی بڑی درگاہیں اور صوفیاؤں کی خانقاہیں ہیں، بڑے بڑے N.G.O. ہیں؛ مگر ان سب کے وجود کا اس بستی پر کوئی اثر نہیں آیا۔

خودکشی اور نشہ کی لت اس وقت پوری دنیا میں وبا کی شکل اختیار کرتی جارہی ہے، پورے پورے خطے نشہ آور ادویہ کی زد میں ہیں۔

مسلم ممالک ایران، افغانستان، پاکستان، سعودی عرب سب نشہ کی روزافزوں لعنت کی گرفت میں ہیں، مسلم معاشرہ یا ممالک کے علاوہ غیر مسلم مقامی معاشرہ یا مغربی معاشرہ سب کے سب نشہ اور خودکشی دونوں کی لعنت میں تیزی سے گرفتار ہورہے ہیں۔

اگر یہ مسئلہ صرف غریب، کم پڑھے لکھے یا جاہل معاشرہ کا ہوتا تو ہم اس کو کم تعلیم، بیروزگاری، وسائل کی کمی، غربت سے جوڑ کر دیکھ سکتے تھے؛ مگر اعداد و شمار اور روزانہ کے واقعات بتارہے ہیں کہ سماج کا ہر طبقہ اس سے یکساں طور پر متاثر ہے، اوسط کا کچھ فرق ہوسکتا ہے، مثلاً ہندوستان میں پنجاب ہر لحاظ سے خوشحال ریاست ہے؛ مگر نشہ نے پوری ریاست کو جس بری طرح جکڑ رکھا ہے وہ اس بات سے ظاہر ہے کہ حالیہ اسمبلی الیکشن میں نشہ کا موضوع بہت اہم تھا اور اکالی، بی جے پی سرکار اس کے لیے ذمہ دار بتائی جارہی تھی، اس موضوع پر ''اڑتا پنجاب'' نام کی فلم بھی چرچا میں رہی، وہیں کیرل کی ریاست ملک کی سب سے زیادہ خواندگی والی تقریباً صدفی صد خواندہ ریاست مانی جاتی ہے، مالی حالات بھی بہار، بنگال اور یوپی جیسے برے نہیں ہیں، پھر بھی ملک گیر اعداد و شمار میں خودکشی کے واقعات سب سے زیادہ اسی ریاست میں ہورہے ہیں، پھر ان حالات کی توجیہ وتوضیح کیسے کی جاسکتی ہے؟

دونوں موضوعات پر دنیا بھر میں بحث ومباحثہ، غور وخوض، تجربہ چل رہا ہے، عموماً دنیاوی اسباب جو گنائے جارہے ہیں، ان میں بے روزگاری، آمدنی کی کمی، جہالت اور بکھرتا

انسانی معاشرہ، انسانی رشتہ و روابط میں محبت اور غمگساری کا کم ہوتا رجحان اہم مانے جارہے ہیں، سماج کے مختلف طبقات کی بات کریں تو نوجوان لڑکے لڑکیاں، طالبِ علم، خواتین اور کسان مختلف الگ الگ وجوہات کی بنا پر دونوں خطرات میں زیادہ پھنس رہے ہیں؛ مگر یہ تجربات اور ان کی بنا پر پیش کیے جانے والے حل دونوں ہی اکثر وبیشتر غلط ثابت ہورہے ہیں؛ کیوں کہ دنیا میں رائج نظریات اور ان کی بنا پر تعمیر کیا گیا انسانی معاشرہ مطلقاً کائنات کے خالق و مالک کو اور اس کے ذریعہ کی گئی رہنمائی سے انکار اور مخالفت پر مبنی ہے۔

سماجیات کی دنیا میں مذکورہ بالا مسائل خودکُشی اور نشہ آور اشیاء کا استعمال انسانی معاشرہ کو گھن کی طرح کھا رہا ہے، آج بچہ کی پیدائش کے ساتھ ہی اس کے کان میں اچھے اسکول، حقِ تعلیم، اچھا کیریئر، بہتر مستقبل ہی واحد مقصدِ زندگی کے طور پر گھولا جاتا ہے، پورے معاشرہ اور سرکار کی کوشش اسی کے گرد گھومتی ہے، زندگی کے متعلق اس نظریہ کو قرآنِ پاک میں اس طرح واضح کیا گیا ہے کہ ''یہ کہتے ہیں کہ دنیا کی زندگی ہی ہماری زندگی ہے، ہم مرتے اور جیتے ہیں اور ہمیں صرف زمانہ ہی مار ڈالتا ہے، دراصل انھیں اس کا کچھ علم ہی نہیں ہے، یہ صرف قیاس اور اٹکل سے کام لے رہے ہیں۔'' (الجاثیہ ۲۴)

ایک اور بڑی وجہ سماج میں صارف کلچر کی بے پناہ طلب اور ہوس بھی ہے، جہاں گھر کے مکھیا پر گھر کے لوگوں کا ھَلْ مِنْ مَزِیْد کا نعرہ ہے، جس کی وجہ سے نشہ، کرپشن اور انجام کار خودکشی کے واقعات ہر معاشرہ میں تیزی سے بڑھ رہے ہیں، وجوہات الگ الگ ہوسکتی ہیں؛ مگر نتیجہ یہی فرار اور مایوسی ہے۔

یہ بات تو طے ہے کہ دنیا میں نافذ نظامِ حیات یہ اور اس کی طرح کے مظاہر فساد فی الارض روکنے میں ناکام ہیں اور رہیں گے؛ کیوں کہ یہ ان کے دماغوں کی اُپج ہے، جن کا انسان اور کائنات کے بارے میں علم ناقص، ادھورا اور تغیر پذیر ہے، یہ آج کچھ قانون بناتے ہیں کل اس کے الٹا قانون بناتے ہیں، مثلاً جب نشہ کی لت کو روک نہیں پائے تو

اُسے جرم کی فہرست سے ہی خارج کر دیا، خودکشی پہلے ہمارے ملک میں جرم تھی، اب اس مسئلہ کو ایسے حل کیا کہ اسے جرم کی فہرست سے خارج کر دیا گیا، اس طرح مانگ اٹھ رہی ہے کہ سٹہ، جوابھی جرم کی فہرست سے خارج کر دیا جائے، اس کے برعکس الٰہی رہنمائی میں قوانین اس خالق کی طرف سے بنائے گے ہیں جس نے انسانوں کو تخلیق کیا ہے جو انسانوں کو اوران کی ہر طرح کی ضروریات کو پورا کرنے والا اور نشوونما دینے والا رب العالمین ہے، اس نے ایک طرف عقیدۂ آخرت، تقدیر پر بھروسہ، اللہ پر توکل اور دعا ومناجات کے ذریعے انسانوں کے قلوب کو ہر طرح کی مصیبت اور آزمائش کے لیے مضبوط بنایا، ان کو زندگیوں کو سادہ بنائے رکھنے کی تلقین، ''اس کی امیدیں قلیل، اس کے مقاصد جلیل'' کے تحت انسانوں کو زیادہ سے زیادہ حاصل کرنے اور صرف کرنے کی خواہش پر لگام لگایا۔

دوسری طرف زکوٰۃ اور بیت المال کے نظام اور حقوق العباد کی زبردست ترغیب اور نظم کے ذریعہ سماج کے ہر فرد کو دوسرے فرد کے ذریعہ مضبوطی عطا کی۔

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (مفہوم) تم مال چھوڑ کر گئے تو مال تمہارے وارثوں کا اور اگر ذمہ داری چھوڑ کر گئے تو وہ میری یعنی (اسلامی ریاست) کی ذمہ داری ہے، جس طرح سے زکوٰۃ کو عبادات میں شامل کر کے فرض قرار دیا گیا اور اس کے لیے اوپر سے نیچے تک ایک نظم بنایا گیا اور سود کو حرام قرار دیا گیا، اگر صرف یہ دو چیزیں ہی اپنالی جائیں تو بیروزگاری، نشہ، خودکشی، گداگری اور کرپشن سب پر قابو پایا جاسکتا ہے؛ مگر آج صورتِ حال یہ ہے کہ مسیحا آپ خود بیمار ہے وہ عقیدہ کے محاذ پر بھی کمزور اور بیمار ہو رہا ہے اور عملاً زکوٰۃ، صدقات اور سماجی فلاح کے کاموں سے بھی دور ہو رہا ہے؛ بلکہ ان کو دھندا بنالیا ہے۔

آج اگر گلی گلی، محلہ محلہ زکوٰۃ کا نظم ہو غریبوں، بیماروں، طالب علموں، بے روزگاروں کی خبر گیری ہو، ان کو اپنے پیروں پر کھڑا کرنے کی کوشش ہو، ان کی ہنگامی ضرورتیں پوری کرنے کا نظم ہو تو مایوسی اور ناکامی کیوں ڈیرا جمائے گی؟ امتِ مسلمہ کو حالات کی سنگینی کو

سمجھ کر اپنے وسائل اور افرادی طاقت کو استعمال کرنا ہوگا۔

ایک طرف عقیدہ کی مضبوطی، دنیا اور آخرت کی حقیقت اور حقیقی کامیابی کے الٰہی پیمانہ عام کرنے ہوں گے، جس عقیدہ کو ہم رٹاتے ہیں اسے سمجھانا بھی ہوگا۔

دوسری طرف امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے ذریعہ سماج میں فحش ومنکرات کا مقابلہ کرنا ہوگا۔

تیسری طرف زکوٰۃ، صدقات کے محلہ واری نظم کو منظم کرنا ہوگا، آخر قوم آج بھی اربوں روپیہ زکوٰۃ ادا کررہی ہے، پھر بھی مجبوری اور محرومی کیوں؟ ہمارے بچوں اور نئی نسل کو خودکشی، جرائم اور نشہ میں مبتلا کررہی ہے؟ ہونا یہ چاہیے کہ یہ خیرِ امت دوسروں کی رہنمائی کرتی، ان کی دادرسی کرتی، ان کی مشکل کشائی کرتی؛ مگر یہ خود انھیں امراض میں مبتلا ہوکر خدا اور رسولِ خدا کی رسوائی کا باعث ہے۔ ہمیں دنیا اور آخرت میں عزت اور کرامت چاہیے تو اپنا خیرِ امت کا کردار ادا کرنے کے علاوہ کوئی راستہ نہیں ہے۔

نفع رسانی کی فضیلت

حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ساری مخلوق اللہ تعالیٰ کا کنبہ ہے (جس طرح کوئی آدمی بظاہر اپنے اہل وعیال کی روزی، روٹی اور ان کی ضروریات کا کفیل ہوتا ہے اسی طرح سب مخلوق کی روزی اور دیگر ضروریات کا حقیقی کفیل اللہ تعالیٰ ہے)۔

پس اللہ کو ساری مخلوق میں زیادہ محبت ان بندوں سے ہے جو اس کے عیال یعنی اس کی مخلوق کو زیادہ نفع پہنچائیں (**احبُّ الخلق الی اللہ انفعھم لعیالہ — الطبرانی ۱۰/۸۶**)

سونے کے آداب

مولانا رضوان اللہ، پشاوری

نیند زندگی کی ایک اہم ترین ضرورت ہے، اللہ کی ایک نشانی ہے اور ایک بڑی نعمت ہے، اللہ نے اپنے بندوں پر اس نعمت کا احسان جتلاتے ہوئے فرمایا: ”رات اور دن میں تمہارا نیند کرنا اور تمہارا اس کا فضل (یعنی روزی) تلاش کرنا بھی اس کی نشانیوں میں سے ہے، جو لوگ (کان لگا کر) سننے کے عادی ہیں ان کے لیے اس میں بہت سی نشانیاں ہیں۔“ (سورۃ الروم)

جلد سے جلد سونا اور بغیر ضرورت جاگنے سے پرہیز کرنا: ابو برزۃ اسلمیؓ سے روایت ہے کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عشا سے قبل سونے کو اور عشا کے بعد گفتگو کرنے کو ناپسند کرتے تھے۔ (بخاری، مسلم)

سونے سے پہلے ہاتھ اور منھ دھو لینا چاہیے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس کے ہاتھ میں (گوشت یا چربی کی) مہک یا اس کا اثر موجود ہو اور اسے دھوئے بغیر سو گیا، پھر اسے کوئی مصیبت پہنچی تو وہ اپنے آپ کو ملامت کرے۔ (ترمذی، احمد، ابوداو)

سونے سے قبل وضو کرنا: براء بن عازبؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم اپنے بستر پر آؤ تو وضو کرلو جیسے نماز کے لیے وضو کیا جاتا ہے۔ (بخاری مسلم) مقصود یہ ہے کہ سوتے وقت باوضو رہنا سنت ہے۔

باوضو سونے سے انسان ڈراونے خواب اور شیطان کے کھلواڑ سے محفوظ رہے گا، اگر اس رات اس کی موت ہو جائے تو طہارت کی حالت میں موت ہوگی، اگر کوئی اچھا خواب دیکھے تو وہ سچا ہو سکتا ہے۔ (شرح مسلم، نووی)

سونے سے پہلے وتر پڑھنا: جو شخص رات کے آخری حصہ میں بیدار نہ ہو سکے تو ابتدائی رات میں وتر پڑھ لے۔(مسلم) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوہریرہؓ کو سونے سے پہلے وتر پڑھنے کی وصیت فرمائی۔(بخاری، مسلم)

سونے سے قبل کھانے پینے کے برتنوں کو ڈھانپنا: سونے سے قبل کھانے پینے کے برتنوں کو بسم اللہ کہہ کر ڈھانک دیں، اگر کوئی چیز نہ ملے تو کم سے کم ایک لکڑی ہی سہی بسم اللہ کہہ کر اس پر رکھ دیں، اس لیے کہ شیطان بند دروازوں کو اور ڈھکے ہوئے برتنوں کو نہیں کھولتا۔(مسلم)

ایک حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا سبب یہ بیان فرمایا ہے کہ: سال میں ایک رات ایسی آتی ہے جس میں وبا اور بلا نازل ہوتی ہے اور جس چیز کا منھ بند نہ ہو اور جو برتن ڈھکا ہوا نہ ہو اس میں یہ وبا اتر پڑتی ہے۔(مسلم)

سونے سے قبل بسم اللہ کہہ کر بستر جھاڑنا: جو اپنے بستر سے اٹھ جائے پھر دوبارہ سونے کے لیے آئے تو دوبارہ اس کو جھاڑ لے، کیوں کہ معلوم نہیں کہ اس کے جانے کے بعد وہاں کیا کچھ آیا ہے۔(بخاری، مسلم)

سونے سے پہلے آگ اور چراغ بجھانا: حضرت جابر بن عبداللہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: رات میں جب تم سونے جاؤ تو چراغ بجھا دو اور دروازے بند کر دو۔(بخاری، مسلم)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سوتے وقت اپنے گھروں میں آگ کو جلتے ہوئے نہ چھوڑو۔(بخاری، مسلم) ایک اور روایت میں ہے کہ چراغ بجھا دو، کیوں کہ بسا اوقات چوہا چراغ کی بتی کو بھڑکا کر گھر والوں کو جلا ڈالتا ہے۔(بخاری)

سونے کی ہیئت: دائیں کروٹ لیٹے اور اپنے داہنے ہاتھ کو اپنے گال کے نیچے رکھ لے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت براء بن عازبؓ کو سیدھی کروٹ سونے کے لیے کہا۔(بخاری)

حضرت حفصہؓ اور دیگر صحابہ سے روایت ہے کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب

اپنے بستر پر سوتے تو اپنا داہنا ہاتھ اپنے گال کے نیچے رکھ لیتے تھے۔(احمد)

پیٹ کے بل سونا منع ہے: ایسا سونے سے اللہ تعالی غصہ ہوتے ہیں اور اس کو ناپسند فرماتے ہیں، اس لیے کہ یہ دوزخیوں کا طریقہ ہے :اللہ تعالی کا فرمان ہے :يَوْمَ يُسْحَبُونَ فِي النَّارِ عَلَى وُجُوهِهِمْ ذُوقُوا مَسَّ سَقَرَ (سورۃ القمر)

جس دن وہ اپنے منھ کے بل آگ میں گھسیٹے جائیں گے (اور ان سے کہا جائے گا) دوزخ کی آگ کے مزے چکھو۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس سے گزرے اس حال میں کہ میں پیٹ کے بل لیٹا ہوا تھا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اپنے پیر سے ہلا کر فرمایا: جُنیدب! (یہ ابوذر کا نام ہے) سونے کا یہ انداز تو جہنمیوں کا ہے۔(ابوداؤد)

چت لیٹ کر ایک پیر کو دوسرے پیر کے گھٹنے پر رکھ کر سونا مکروہ ہے، اس لیے کہ اس میں ستر کھلنے کا امکان ہے۔

حضرت جابر بن عبداللہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے کہ آدمی ایک پیر کو دوسرے پر اٹھا کر رکھ لے جب کہ وہ چت لیٹا ہوا ہو۔(مسلم)

چھت پر سونا منع ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص ایسی چھت پر سوئے جس کے اطراف کوئی آڑ اور چار دیواری نہ ہو اور وہ اوپر سے گر کر مر جائے یا اسے کوئی نقصان پہنچے تو وہ اللہ کی ذمہ داری سے بری ہے۔(احمد، ابوداود) یعنی گویا اس نے خودکشی کر لی۔ اور اگر حفاظت کے ذرائع اپنانے کے بعد بھی وہ ہلاک ہو گیا تو ان شاء اللہ وہ شہید کہلائے گا۔

بچے الگ الگ بستروں پر: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب بچے سات سال کے ہو جائیں تو انہیں نماز پڑھنے کا حکم دو اور جب دس سال کے ہو جائیں تو انہیں نماز نہ پڑھنے پر سزا دو اور ان کے بستروں کو الگ کر دو جب دس سال کے ہو جائیں (احمد، ابوداود)